شمارہ-90، ذوالقعدہ-ذوالحجہ 1447ھ، مئی-جون 2026ء

# نصرة

عسکری ڈاکٹرائن

تبدیلی کو یقینی بنانے کے لیے نظام کو جڑ سے اکھاڑنا

اصلاحِ رائے: یہ کوئی فرقہ وارانہ جنگ نہیں، بلکہ خالصتاً ایک صلیبی جنگ ہے

امن معاہدہ ایک دھوکہ ہے!

## ایران کے خلاف جنگ

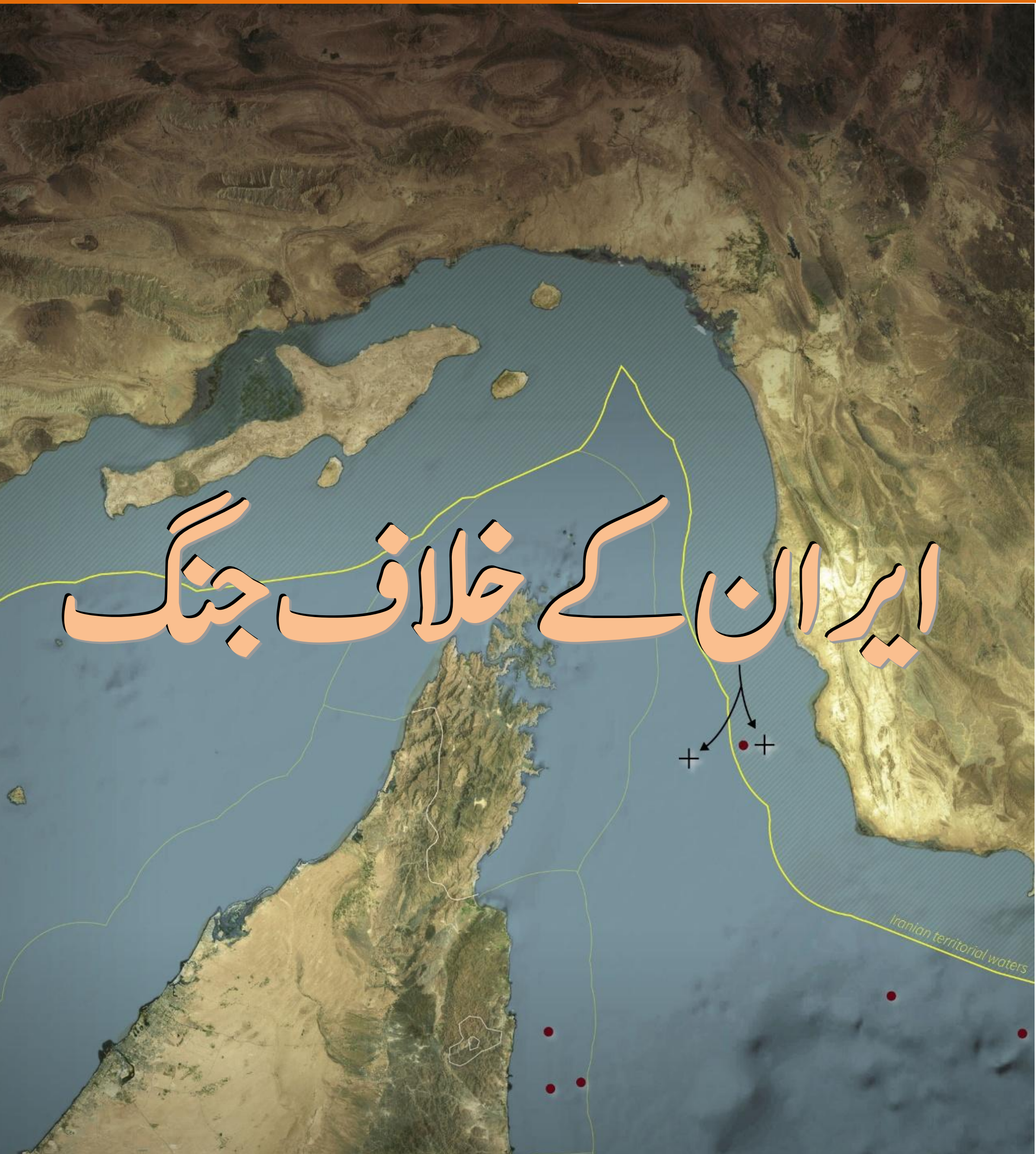

# فہرست

عسکری ڈاکٹرائن سے اقتباس۔۔۔ مسلم افواج کو غزہ کی مدد کرنے میں کیا شئے مانع ہے؟ ........................ 3

سیاسی فہم کے لازمی اصول اور پالیسی سازی (حصہ اول) ................................................ 29

کیا ہم ایک تاریخی دور کے اختتام پر کھڑے ہیں یا یہ ایک طویل انہدام کا آغاز ہے؟ ........................ 35

تبدیلی کو یقینی بنانے کے لیے نظام کو جڑ سے اکھاڑنا ...................................................... 42

اصلاحِ رائے: یہ کوئی فرقہ وارانہ جنگ نہیں، بلکہ خالصتاً ایک صلیبی جنگ ہے ........................ 49

سوال وجواب: ایران کے خلاف جنگ ............................................................ 54

ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ کے اثرات .................................................... 64

ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ میں شمولیت کے لئے یورپ کا انکار! ................................ 74

امن معاہدہ ایک دھوکہ ہے! ...................................................................... 78

ایران کے لئے آپشنز .............................................................................. 81

امریکہ-ایران کے مابین پاکستان کے حکمرانوں اور ملٹری کمانڈروں کی دلالی ............................ 85

پاکستان کے حکمرانوں کو شیطان امریکہ کے لیے ثالثی کرنے کی بجائے مسلم سرزمین کے دفاع کے لیے لڑنا چاہیے . 89

امریکہ اور انڈونیشیا کے درمیان "میجر ڈیفنس کوآپریشن پارٹنرشپ (MDCP)" ........................ 92

سوال کا جواب: لبنان اور یہودی وجود کے درمیان غدارانہ مذاکرات ...................................... 99

# عسکری ڈاکٹرائن سے اقتباس۔۔۔ مسلم افواج کو غزہ کی مدد کرنے میں کیا شئے مانع ہے؟

استاذ بسام فرحت، ولایہ تیونس

ایک بار پھر، غاصب صیہونی وجود کے لئے ہونے والی سیاسی سوچ وبچار غزہ کے خلاف جارحیت کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی جا رہی ہے۔ یہ ایک ایسا نعرہ بن چکا ہے جو سیاسی ماحول کو اپنی طرف راغب کرتا ہے، اس کے تمام دھڑوں کو یکجا کرتا ہے اور ایک ایسی قوم کے روحانی اور مذہبی جذبات کو تازہ کرتا ہے جس کی اجتماعی یادداشت کو 'یوشع، طالوت، اور داؤد' کے کنعانی قبائل کے خلاف کیے گئے خونی قتل عام نے پروان چڑھایا ہے، جنہیں وہ "تاریخی عظمتوں" کے طور پر شمار کرتے ہیں۔

نام مختلف ہو سکتے ہیں، جیسے "گریپس آف راتھ آپریشن (Operation Grapes of Wrath)"، "کاسٹ لیڈ آپریشن (Operation Cast Lead)"، "پروٹیکٹیو ایج آپریشن (Operation Protective Edge)"، "غزہ انویلوپ (Gaza Envelope)"، لیکن حقیقت وہیں کی وہیں رہتی ہے: ایک خونی فوجی منظر نامہ اور ایک سفاک ترین وخونریز یک طرفہ جنگ جس میں دنیا کی سترہویں طاقتور ترین فوجی طاقت، جو کہ نیوکلئیر کلب کی رکن بھی ہے، ایک بے بس اور بے یار ومددگار آبادی کے خلاف وحشیانہ اور ظالمانہ جنگ برپا کئے ہوئے ہے۔ اس جنگ میں، نام نہاد **"مشرقِ وسطیٰ کی واحد جمہوریت"** اپنے طاقتور اور مہلک ترین اسلحہ کا استعمال کر رہی ہے اور نسل کشی کے بھیانک ترین طریقوں کا ارتکاب کر رہی ہے، جو کہ اس شدت بھری نفرت، عداوت، بے رحمی، مجرمانہ پن اور کینہ پروری کو ظاہر کرتا ہے جو یہودی کردار میں اس حد تک کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے کہ امڈ امڈ کر باہر بہہ رہا ہے۔

المیہ تو یہ ہے کہ غزہ کے لوگوں کی جیتی جاگتی زندگی کی یہ منظم تباہی دن دہاڑے، دنیا بھر کی آنکھوں کے عین سامنے، نام نہاد آزاد دنیا کی ترغیب وحمایت کے ساتھ، اور عرب حکمرانوں کی شرمناک ملی بھگت اور نوازشوں کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ یہ حکمران نہ صرف غزہ کے لوگوں کی مدد کرنے کے اپنے فریضے کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں بلکہ صیہونی وجود کو نقل وحمل میں مدد فراہم کرنے تک بھی چلے گئے ہیں، اور اسے خوراک اور ایندھن جیسی بنیادی ضروریات فراہم کر رہے ہیں۔

انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ایسا رویہ، جس سے جنگلی جانور بھی شرما جائیں، حیران کن نہیں ہے۔ یہ تو بنی اسرائیل کے وسیع تر جرائم کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے، جو ایک نسل کشی سے دوسری تک اپنے قتل عام کی کارکردگی کو مزید خونریز بناتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ وہ بے دخل کر دینے کی گھناؤنی ترین انتہا پر **"عظیم اسرائیل (Greater Israel)"** کے اپنے ترمیم شدہ تلمودی منصوبے میں ضم ہو

جائیں، جس کا مطلب فلسطین کی مقدس سرزمین کو نسلی قتل عام (Ethnic cleansing) کے ذریعے صفایا کر کے گریٹر اسرائیل کا مرکز بنانا ہے۔

تاہم، جیسا کہ کہا جاتا ہے، **"ہر سختی کے ساتھ آسانی آتی ہے"**۔ اس بے جا جارحیت کا ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ مسلم امت نے اپنی افواج کے سامنے اپنا اعتماد دوبارہ بحال کرنا شروع کر دیا ہے۔ دہائیوں کی تقسیم، بداعتمادی اور گہری دشمنی کے بعد اب مسلم امت براہ راست اپنی افواج سے مخاطب ہو رہی ہے۔ تاہم، سوال یہ ہے: کیا مسلم ممالک کی فوجی اسٹیبلشمنٹ اس اعتماد کے قابل بھی ہے اور کیا وہ اس کے لئے تیار ہے؟ اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے، تو آخر اس فوج کو اس استعماری شکنجے سے کیسے آزاد کرایا جائے، امت کے گلے سے واپس کیسے لگایا جائے اور امت کے مقاصد کی حفاظت کے لیے کیسے متحرک کیا جائے؟

***امت کو اس کی طاقت سے دور کرنا***

**1- مایوسی اور ناامیدی:**

20ویں صدی کے وسط سے، مایوسی اور ناامیدی کی ایسی باتیں چاہے وہ سرکاری سطح پر ہوں، تعصب کے باعث ہوں یا مشہور کی گئی ہوں، مسلسل امت کی افواج کو کمتر اور بے وقعت قرار دیتی رہی ہیں۔ ان بیان بازیوں میں افواج کی اہمیت کو کم کر کے پیش کیا جاتا ہے، ان کی جنگی صلاحیتوں پر سوال اٹھائے جاتے ہیں، اور یہاں تک کہ ان کی دیانتداری پر بھی شک کیا جاتا ہے۔ اکثر انہیں ایک جابرانہ قوت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جس سے مدد لینا حرام سمجھا جاتا ہے، یا انہیں عوام کو دبانے اور ایجنٹ حکمرانوں کی حفاظت کے لیے استعمال ہونے والے آلہ کار کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ تاثر پھیلتا ہے کہ ان افواج سے کوئی خیر کی امید نہیں رکھی جاسکتی، اور نجات صرف تب ہی ممکن ہے جب ان کو برطرف کر دیا جائے۔

یہ زہریلا دعویٰ نہ تو سماجی اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ ہی سیاسی اصولوں سے۔ استعماری تسلط سے آزادی کو عملی طور پر صرف اس وقت حاصل کیا جاسکتا ہے جب اس کے پیچھے ایک عسکری قوت موجود ہو جو اس کی حمایت کرے، اس کا تحفظ کرے، اور اس راہ میں حائل تمام ظاہری رکاوٹوں کو دور کرے۔ تبدیلی لانے کے لیے صرف شعور اور خواہش ہی کافی نہیں ہیں، اس کے لیے طاقت اور قوت کی حمایت بھی ضروری ہے۔ کسی فوجی قوت کو صرف اسی نوعیت کی دیگر مقابل قوت کے ذریعے ہی مؤثر طریقے سے ہٹایا جاسکتا ہے۔

یہ دعویٰ ان افواج کی حقیقت کے بھی برعکس ہے۔ افواج امت میں سے ہی ہیں اور امت مسلمہ کا ایک لازمی حصہ ہیں، جو امت کے بہترین ہیروز پر مشتمل ہیں، جو امت کے دکھ سکھ میں ساجھے ہوتے ہیں، اور امت کی ہی طرح اس کے مقدسات کے محافظ ہیں، اور اللہ کے دین کی سربلندی اور آزادی کی آرزو رکھتے ہیں۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ مسلم ممالک میں فوجی اسٹیبلشمنٹ کھلم کھلا مذہب-مخالف ہے۔ اور یہ اسٹیبلشمنٹ نہ تو سیاسی اور نفسیاتی اور نہ ہی نظریاتی طور پر مسلمانوں سے معاونت لینے کے لئے تیار ہے اور نہ ان کی مدد کرنے کے لیے آگے بڑھنے کو تیار ہے۔ یقیناً یہ اسٹیبلشمنٹ عوام کو دبانے کے لئے آلہ کار ہیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرنے والے ہیں، استعماری مفادات کا تحفظ کرنے والے ہیں، ان کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے والے اور استعمار کے ایجنٹوں کو حکمرانی کے تخت پر تحفظ دینے والے ہیں۔

البتہ، یہ نہایت ضروری ہے کہ عسکری اسٹیبلشمنٹ اور انفرادی جوانوں میں فرق کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔ عسکری اسٹیبلشمنٹ ایک سرکاری استعماری ڈھانچہ ہے، جو استعماری طاقتوں کے لیے ہی وفادار رہنے کو قائم کیا گیا ہے، اور اسی مقصد کے لئے اسے تربیت یافتہ اور مسلح کیا گیا ہے۔ لیکن انفرادی فوجی جوان امت مسلمہ کا حصہ ہیں، جو امت کے ایمان اور جذبۂ دین میں برابر کے شریک ہیں اور وہ بھی اس سرمایہ دارانہ نظام کے شعلوں تلے جل رہے ہیں۔ اسی لئے، ان جوانوں میں موجود ایمان کو مخاطب کرنا، انہیں موجودہ بگڑی ہوئی صورتحال کے خلاف تحریک دینا اور انہیں اسلامی احیاء کے منصوبے کی مدد کے لیے متحرک کرنا عین ممکن ہے۔

## 2۔ ایک استعماری چال:

نتیجتاً، استعماری کفار نے عسکری قوتوں کو ان کی امت کی تحریکوں سے دور رکھنے میں ہی اپنا فائدہ دیکھا۔ استعمار نے ان افواج کو ان کے اپنے ہی لوگوں کو مغلوب رکھنے، ان کے جذبات کو کنٹرول میں رکھنے اور اسلامی طرزِ زندگی کے احیاء کو روکنے کے لئے استعمال کیا۔ اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ انتہائی مذموم استعماری چال تھی جس کا مقصد امت کو اس کی اپنی طاقت سے علیحدہ رکھنا یعنی امت کو اس کی افواج سے الگ کرنا تھا۔ یہ ایک ایسی چال تھی جس کا مقصد ایک ایسی نفسیاتی اور سیاسی رکاوٹ پیدا کرنا تھا جو امت کو اس کی اپنی طاقت اور حفاظت کے ذریعہ سے دور کر دے۔ اس دوری پیدا کرنے کا مقصد امت کا ان پر انحصار کرنے کو برقرار رکھنا اور اگر ان میں کوئی تحریک پیدا ابھی ہو تو نجات حاصل کرنے کی کسی بھی تحریک کو کچل دینا تھا۔

ستم ظریفی تو یہ رہی کہ اس استعماری چال کو حقیقی توثیق اور حمایت ملتی رہی۔ غزہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات اس کی زندہ مثال ہیں۔ صیہونیوں کی طرف سے برپا کی جانے والی سفاکانہ خونریزی کے باوجود، جس نے دشمن کے اپنے اندر تک اُن کی حکومتوں

اور عوام دونوں کو، انسانی خدشات کی بنیاد پر، ہلا کر رکھ دیا اور مغربی رائے عامہ میں روایتی صیہونی حمایت کا بت توڑتے ہوئے یورپ کے بڑے شہروں میں تحریکیں نکل پڑیں، جن میں سے خصوصاً صیہونیت کے گڑھ اور امریکہ کی کلیدی یونیورسٹیاں اور یورپین سیاسی اشرافیہ میں ہونے والے احتجاج شامل ہیں، لیکن ان سب کے باوجود بھی ان مسلم افواج میں کوئی جنبش نہ ہوئی اور یہ سب بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف رہا۔ مسلم افواج میں ان چیخ وپکار کو سننے والا کوئی بھی نظر نہ آیا، جبکہ اس کے بجائے یہ افواج اپنے ہی لوگوں میں تحریکوں کو کچلنے میں مصروف تھیں اور صیہونی وجود کے ہمراہ غزہ کے لوگوں کا محاصرہ کرنے اور ان پر جبر کرنے میں حصہ لے رہی تھیں۔

یہ تلخ حقیقتیں، جن کے بارے میں سوچنا ہی کس قدر مشکل ہے، ہمارے بنیادی یقین کو ہلا دیتی ہیں اور اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں: مسلمانوں کی افواج کو غزہ میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے میں آخر کیا شے مانع ہے؟ کیا وہ اسلامی عقیدے کے لحاظ سے متحد نہیں ہیں؟ کیا وہ نسلی، قبائلی اور قومیت کے بنیادی رشتوں تک میں باہمی بندھے ہوئے نہیں ہیں؟ کیا بیواؤں اور یتیموں کی پکاریں، ستائے ہوؤں کی آہیں، اور معصوم بچوں اور شیر خواروں کے آنسو بھی ان افواج میں غیرت، حمیت اور فرض کا کوئی جذبہ نہیں جگا پاتے؟ کیا خون آلود چیتھڑے، کٹے پھٹے اجسام اور جلی ہوئی مسخ شدہ اور بوسیدہ لاشیں بھی ان افواج میں بنیادی انسانی ہمدردی کی کوئی ایک بھی رمق پیدا نہیں کر سکیں؟ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک امریکی عیسائی فوجی، آرون بشنل، تو صیہونیوں کے ہاتھوں اس بربریت کے مظالم کے خلاف احتجاج کے طور پر اپنے آپ کو آگ لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی ایک مسلمان فوجی اپنے ہی مسلمان بھائیوں کی جان و حرمت کا دفاع کرنے سے گریز کر رہا ہے؟

*** قیادت کا قابو گروپ(Control Panel)***

**1۔ فوج کی تصوراتی شخصیت:**

ان سوالات کی پیچیدگی اور بظاہر ان کی متضاد نوعیت کے باوجود جواب خاصا سادہ اور صاف، منتقی بلکہ بالکل سیدھا ہے۔ استعمار نے مسلمان افواج کا "ڈیش بورڈ" یا سادہ الفاظ میں کہیں تو ان کا کنٹرول سنبھالا ہوا ہے، جو کہ ان افواج کی عسکری جنگی ڈاکٹرائن ہے۔ استعمار نے انہیں ان احکام کے تابع کر دیا ہے اور یوں وہ استعمار کے اختیار میں ہیں۔ جس طرح کسی ایک فرد کی ایک حقیقی شخصیت ہوتی ہے جو اس کی عقلیہ اور نفسیہ پر مشتمل ہوتی ہے اور یہی شخصیت اس فرد کے افکار، فہم، میلانات، رویہ، پسند و ناپسند کے ادراک اور ترقی کی سطح کا تعین کرتی ہے بالکل اسی طرح اقوام اور افواج بھی اخلاقی، باطنی اور ادراک پر مبنی شخصیت رکھتی ہیں۔ اور یہ شخصیت بھی

اسی طرح انہی عناصر پر مشتمل ہوتی ہے جن پر ایک فرد کی شخصیت ہوتی ہے۔ اس شخصیت کا فوج کی حقیقت اور کردار پر وہی اثر ہوتا ہے، جو کہ فوج کے افکار، فہم، رویہ، میلان، پسند اور فروغ کو تشکیل دیتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ جب حقائق کا معلومات سے ربط کیا جائے تو استدلال میں استعمال ہونے والی فکری بنیاد کس قدر اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور یہ بنیاد تصورات کو تحریک دیتی ہے۔ یہی بنیاد شخصیت کے دونوں پہلوؤں کو ایک مخصوص انداز میں تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہی بنیاد کسی معانی کو ایک تصور میں ڈھالتی ہے اور وہ تصور رویوں کو منظم کرتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بنیاد جذبات کو ترجیحات اور میلانات میں ڈھالتی ہے، جو اس بات کا تعین کرتے ہیں کہ ضروریات کیسے پوری کی جائیں۔

جب اس رجحان اور ثقافت کی مساوات کا اطلاق مسلح افواج کی حقیقت پر کیا جاتا ہے۔ تو اس کا ترجمہ "عسکری ڈاکٹرائن" کی اصطلاح میں ہی نکلتا ہے۔ یہ ڈاکٹرائن ہی اس فکری بنیاد کا کام کرتی ہے جسے فوج کا ادارہ استدلال کرنے، اور دونوں طرح سے یعنی فکری اور نفسانی رجحان کی سطح پر اپنے تصورات کی شخصیت کے نقوش کو تراشنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ یہ ڈاکٹرائن، فوج کو اس بارے میں بنیادی اصول فراہم کرتی ہے کہ فوج کو جنگی حالات میں اپنے کارگر ہونے، وفاداری، اطاعت اور نظم وضبط کو یقینی بناتے ہوئے کس طرح سے سوچنا چاہیئے۔ البتہ ادارے سے وفاداری وہ بنیادی عنصر ہے جس کی بنا پر عسکری ڈاکٹرائن کا تعین کیا جاتا ہے۔ اور یہی اس مسئلے کی اصل جڑ ہے۔

## 2۔ افواج کی کنجی:

جدید افواج کے تین اہم عناصر ہیں جو ان پر کنٹرول کو ممکن بناتے ہیں:

أ) درجہ بندی اور عہدوں پر مبنی ڈھانچہ

ب) نظم وضبط کا کڑا انظام، اور

ج) عسکری ڈاکٹرائن

یہ تینوں عناصر مل کر ایک کنٹرول پینل کا کام کرتے ہیں، جو فوجی ادارے کو تابع کرنے، منظم کرنے اور ہدایات دینے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تا کہ ریاست کے سیاسی مقاصد اور سکیورٹی مفادات کو پورا کیا جائے۔

اعلیٰ فوجی عہدے داران کے پاس "جادوئی نسخہ (magic formula)" ہوتا ہے، جو کنٹرول اور قیادت کے لیے درج ذیل چیزوں پر مشتمل ہے:

(1) مکمل وفاداری،

(2) اندھی اطاعت، اور

(3) مکمل تابع داری۔

جدید فوجی ڈھانچے میں یہ کنٹرول ایک مخصوص انتظامی تنظیم اور کڑے نظم و ضبط کے نظام پر مبنی ہوتا ہے۔ عسکری ادارہ ایک انتظامی درجہ بندی والے ڈھانچے پر قائم ہوتا ہے، جو اوپر سے نیچے تک ایک شاخ دار تنظیمی درخت کی شکل میں پھیلا ہوتا ہے، جس کے مختلف لیڈر اور مختلف عہدوں پر فائز لوگ اس کے مختلف اعضاء کو کنٹرول کرتے ہیں۔ جیسے جیسے اس ڈھانچے میں نیچے کی طرف آئیں، بنیادی حصہ وسیع ہوتا جاتا ہے، جنرل سے کرنل اور پھر لیفٹیننٹ تک، اور پھر اسی طرح نیچے فوجی جوانوں تک۔ اور اسی طرح اوپر کی طرف جاتے ہوئے یہ کم ہوتا جاتا ہے۔

لہٰذا، صحیح عہدے پر توجہ مرکوز کرنا اور اسے جیت لینا پورے فوجی ادارے یا اس کے اہم حصوں، جیسے کور، ڈویژن، بریگیڈ اور بٹالین، پر کنٹرول حاصل کرنے کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔ ان کمانڈروں کے احکامات کو نچلے درجے کے عہدوں پر بلا کسی چوں چرا اور کسی شکایت کے بغیر ماننا ضروری ہوتا ہے، اور نافرمانی پر سخت سزا، یہاں تک کہ پھانسی بھی ہو سکتی ہے، خاص طور پر اگر ملک حالتِ جنگ میں ہو، کیونکہ اسے غداری سمجھا جاتا ہے۔ اس نظام کے تحت افواج کی ریڑھ کی ہڈی اور انتہائی ضروری حصہ یعنی سپاہیوں میں بغاوت کے خیالات کو دبایا جاتا ہے اور ان کے فرمانبردار رہنے اور استحصال کرنے کو فروغ دیا جاتا ہے۔

### 3۔ بنیادی ستون

بلاشبہ، ان تین عناصر پر مبنی نظام میں سب سے اہم عنصر عسکری ڈاکٹرائن (military doctrine) ہے، جو افواج کی فکری، ثقافتی، اور نظریاتی پہلوؤں کو تشکیل دیتی ہے۔ دوسرے دونوں عناصر، یعنی درجہ بندی اور کڑا نظم و ضبط، ادارے کی صرف انتظامی اور تنظیمی سطح کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ فوجی اصولوں، ثقافت، نظریہ، اور اطاعت و تابعداری کے درمیان ایک گہرا اور مربوط تعلق ہوتا ہے۔ عسکری ڈاکٹرائن کا افواج کی وفاداری اور اثر انگیزی پر گہرا اثر ہوتا ہے، جو یقینی اور خود بخود انجام پاتا ہے۔ یہ نظریہ ان پہلوؤں کو متعین کرتا ہے اور ان کی پاسداری کو یقینی بناتا ہے۔

ایک فوجی شخص، چاہے اس کا عہدہ کچھ بھی ہو، ایک انسان ہی ہوتا ہے، جس کے اعمال اس کی زندگی کے تصورات، معیارات اور عقائد سے منسلک ہوتے ہیں۔ یہی تصورات اس کی جذباتی تحریکات کا تعین کرتے ہیں اور اس کے اعمال کو کنٹرول کرتے ہیں۔ انہی تصورات کے مطابق ہی ایک سپاہی اپنے مفادات کو منظم کرتا ہے اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کو تشکیل دیتا ہے۔ اسی نکتہ نظر سے، ایک عسکری ڈاکٹرائن کسی بھی انسانی گروہ کی فوجی پالیسی کو تشکیل دینے کے لئے بنیادی ستون ہے، چاہے وہ انسانی گروہ ترقی یافتہ ہو یا ابتدائی حالت میں ہو، چاہے وہ ایک سلطنت ہو، ریاست ہو، قبیلہ یا مافیا ہو۔ کوئی بھی فوجی ادارہ، بغیر کسی عسکری ڈاکٹرائن کے نہ تو چل سکتا ہے اور نہ ہی اپنے مقاصد حاصل کر سکتا ہے، چاہے وہ ڈاکٹرائن کتنی ہی بنیادی یا جبلی نوعیت کی کیوں نہ ہو، جیسے کہ لوٹ مار کرنا، انتقام یا بدلہ لینا۔ اہم بات یہ ہے کہ فوجی ادارہ ایک تصور، ایک وژن، نقطہ نظر، اور مقصد کے تحت کام کرتا ہے، جسے وہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ، افراتفری پیدا ہو جائے گی، یکجہتی ختم ہو جائے گی، اور شکست و ناکامی کا سامنا ہو گا۔

لہٰذا، جو کوئی بھی فوج بنانا چاہتا ہو، اس کی وفاداری، حمایت اور فتح حاصل کرنا چاہتا ہو، تو اسے اس کے عسکری ڈاکٹرائن کو لازمی ہدف بنانا ہو گا، چاہے وہ اس ڈاکٹرائن کو تشکیل دے، مرتب کرے، برقرار رکھے، اور اس پر توجہ دے یا اسے تبدیل کر دے اور موافق بنائے۔ یہی ایک عمومی طریقہ ہے۔ مزید تفصیلات میں جانے کے لیے ہمیں درج ذیل سوالات کے جواب دینے ہوں گے: عسکری ڈاکٹرائن سے کیا مراد ہے؟ اس کے درجات اور مصادر کیا ہیں؟ اس ڈاکٹرائن میں بنیادی ثقافتی پہلو کا کیا کردار ہے؟ اس ڈاکٹرائن کا ریاست کے سیاسی ڈاکٹرائن کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ یہ ڈاکٹرائن افواج کو کنٹرول میں کرنے اور ان کی جنگی کارکردگی کو مزید مؤثر کرنے میں کیسے کردار ادا کرتی ہے؟ آخر اس ڈاکٹرائن کو کیسے ہدف بنایا جاسکتا ہے اور پھر اسے کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

***عسکری ڈاکٹرائن:***

**1۔ تعریف اور دائرہ کار:**

کسی بھی اہم ترین معاملے کی نوعیت کی طرح، عسکری ڈاکٹرائن کی بھی مختلف طریقوں سے تعریف بیان کی گئی ہے، جس میں تکنیکی، عملی، اسٹریٹجک، سیاسی، اخلاقی، اور نظریاتی پہلوؤں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ ان تعریفوں کی وسعت کے باوجود، ان کا ایک مشترکہ نکتہ یہ ہے کہ یہ ریاست کے سیاسی نظریے، اس کی قومی سلامتی، اور عمومی عسکری پالیسی پر مبنی ہوتی ہیں۔ یہ سب تعریفیں مجموعی طور پر درج ذیل اہم سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کرتی ہیں: ہم کب لڑیں؟ ہم کس کے خلاف لڑیں؟ کس کے ساتھ مل کر لڑیں؟ ہمیں کیسے لڑنا ہے؟ ہمیں کیوں لڑنا ہے؟ اور آخر کب تک ہمیں لڑتے رہنا ہے؟

عسکری ڈاکٹرائن کی سب سے جامع اور مختصر تعریف یہ ہے: **"ریاست کے سیاسی ڈاکٹرائن کے حصول کے لیے مسلح تنازعات کو منظم کرنے کا فن اور سائنس"**۔ اس تعریف کے مطابق، عسکری ڈاکٹرائن ریاست کے سیاسی ڈاکٹرائن کی محافظ، مددگار اور نافذ کرنے والی ہوتی ہے، جو قوم کی تہذیب سے جنم لینے والی تعلیمات، اعلیٰ اقدار، اور سیاسی، فوجی، معاشی، سماجی، اور روحانی اصولوں کا مجموعہ ہوتی ہے، اور یہ تعلیمات عوام کے شعور اور اجتماعی سطح پر ان کی روح میں گہرائی سے راسخ ہوتی ہیں۔

اس تعریف کے مطابق، عسکری ڈاکٹرائن کے کئی اہم کلیدی مصادر ہیں، جن میں سے سب سے زیادہ اہم درج ذیل ہیں:

- ریاست کی ڈاکٹرائن، چاہے وہ مذہبی ہو، نظریاتی ہو یا اصولی ہو، جو کہ سیاسی قائدین تشکیل دیتے ہیں۔

- وہ اقدار، اصول، روایات، قاعدے و قوانین اور رواج جو ریاست کے اندر عام ہوں اور عوام میں مقبول ہوں۔

- ریاست کی فوجی تاریخ، جو برسوں کے تجربات، آزمائشوں اور سیکھے گئے اسباق کا مجموعی نتیجہ ہوتی ہے۔

- تکنیکی اور ٹیکنالوجی کی ترقی، جو ہتھیاروں، ساز و سامان، اور فوجی صلاحیتوں کو موجودہ وقت کے مطابق اپ ڈیٹ کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

- قومی سلامتی کے تقاضے، جیسے کہ ممکنہ خطرات کے ذرائع اور عالمی نظام میں ہونے والی تبدیلیاں، اور اس کے ساتھ ساتھ متوقع جنگوں کی نوعیت، اقسام، شکل، درجات، اور ان کا دائرۂ کار۔

ریاست کے جغرافیائی اور اسٹریٹجک عوامل، جیسے اس کا محل وقوع، وسائل، معاشی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی حالات فوجی اداروں کے حجم، ڈھانچے، طریقہ کار، اور داخلی و خارجی پالیسیوں پر اہم اثر رکھتے ہیں۔

اس فہم کی بنیاد پر، عسکری ڈاکٹرائن ہر ریاست کے لیے ایک خود مختار اور اس ریاست کا اندرونی معاملہ ہوتا ہے، جو اس ریاست کے مخصوص حالات اور خصوصیات کے مطابق تشکیل دیا جاتا ہے۔ کوئی ایسی عالمی عسکری ڈاکٹرائن نہیں ہے جو ہر ریاست کے لیے ایک معیار کے طور پر قابل اطلاق ہو۔ بلکہ، ہر ریاست کی اپنی عسکری ڈاکٹرائن ہوتی ہے، جو اس کی حقیقت، حالات، اور خصوصیات کی عکاسی کرتی ہے۔

کسی دوسری ریاست کو یہ اجازت دے دینا کہ وہ ایک ملک کے لیے اس کی عسکری ڈاکٹرائن تشکیل دے ایک سنگین ترین جرم ہے، کیونکہ اِس کا مطلب اُس ملک کی استعماری، استحصالی، اور جبری غلامی ہے جو کسی دوسری ریاست کے مفاد میں ہو گا۔

***عسکری ڈاکٹرائن کے درجات(Levels):***

مذکورہ بالا ذرائع کی بنیاد پر، ہم عسکری ڈاکٹرائن کے پانچ درجات(Levels)میں فرق کرسکتے ہیں:

**1۔ڈاکٹرائن کا نظریاتی درجہ:** یہ درجہ مجموعی طور پر فوج کے نظریاتی پس منظر کو اور اس کے ساتھ ساتھ فوجی جوانوں کے مخصوص عقائد کی فکری اور ثقافتی بنیاد کو متعین کرتا ہے۔ یہ درجہ دنیا کے بارے میں فوج کے مجموعی نکتۂ نظر کو اور فوج کے ارکان کی انفرادی سوچ کو تشکیل دیتی ہے۔

**2۔اسٹریٹجک درجہ:** یہ درجہ ریاست کو درپیش یا متوقع خطرات، چیلنجز اور خدشات کی نشاندہی اور تعریف کرتا ہے۔ اس درجے میں عسکری ڈاکٹرائن کو ریاست کی سکیورٹی ڈاکٹرائن کے ساتھ اور ریاست کی سلامتی کی حکمت عملی کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا ہے تاکہ یہ یقین دہانی کی جائے کہ فوجی پالیسیاں ان خطرات کو مؤثر طریقے سے حل کرسکیں۔

**3۔ تکنیکی و ٹیکنالوجیکل درجہ:** یہ درجہ ہتھیاروں، سازوسامان، اور فوج کی مجموعی صلاحیتوں کو جدید بنانے پر توجہ دیتا ہے۔ یہ درجہ فوج کی حرکت میں آنے کی تیاری کو برقرار رکھتے ہوئے یہ یقین دہانی رکھتا ہے کہ اسلحہ سازی، ٹریننگ اور نقل و حمل کی ٹیکنالوجی میں بڑھوتری معیار کے مطابق ہے۔

**4۔ آپریشنل و حکمت عملی کا درجہ:** یہ درجہ جنگی کوششوں سے متعلق ہے، جس میں ریاست کے وسائل اور مسلح افواج کو جنگ کے لیے متحرک کرنا شامل ہے۔ اس درجے میں فوج کی جنگی ڈاکٹرائن، ادارہ بندی، منصوبہ بندی، تیاری اور جنگ میں شامل ہونے اور فوجی مقاصد حاصل کرنے کی تربیت شامل ہوتی ہے۔

**5۔اخلاقی درجہ:** یہ درجہ فوجی ڈاکٹرائن کے انسانی اور اخلاقی پہلوؤں سے متعلق ہے۔ یہ درجہ فوج کو اعلیٰ اخلاقی اقدار فراہم کرتا ہے، اسے نیکیوں کی طرف راغب کرتا ہے، اور اس کے مشن کی تکمیل کے دوران اس کے رویے پر مذہبی، انسانی، اور اخلاقی پابندیاں عائد کرتا ہے۔

یہ پانچوں درجے عسکری ڈاکٹرائن کی جامع اور مکمل تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں، یہ نہ صرف یہ تعین کرتے ہیں کہ فوج کیسے کام کرے گی، بلکہ یہ یقین دہانی بھی کہ وہ ریاست کے وسیع تر مقاصد اور اقدار کے ساتھ کیسے ہم آہنگ ہوگی۔

یہ پانچوں درجات نہایت پیچیدگی سے ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔ انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا یا کسی ایک کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ہر درجہ دوسرے درجے کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ سب مل کر ایک جامع عسکری ڈاکٹرائن

تشکیل دیتے ہیں، جسے مکمل معنوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے: **"فکری اقدار اور اصولوں کا ایک مجموعہ، جو فوجی سائنس کے نظریات اور جنگ کے فن کی تشکیل میں معاون ہوتا ہے، اور امن وجنگ کے دوران مسلح افواج کے ڈھانچے اور استعمال کو ریاست کے اعلیٰ ترین مفادات اور مقاصد کے حصول کے لیے متعین کرتا ہے"۔**

اگرچہ ان میں سے زیادہ تر درجات تکنیکی اور عملی نوعیت کے ہیں، لیکن نظریاتی اور ثقافتی پہلو ان سب کے درمیان ربط کا ایک ناطہ ہے۔ یہ ڈاکٹرائن کا درجہ صرف یہ نہیں بتاتا کہ لڑنا کیسے ہے، بلکہ یہ ایک ایسے بنیادی اصولوں کا مجموعہ بھی مقرر کرتا ہے جو مختلف قسم کی جنگی صورتحال میں مسلح افواج کی سوچ کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہی ڈاکٹرائن یہ طے کرتی ہے کہ کس سے اتحاد کرنا ہے، کس کی مخالفت کرنی ہے، کس کے ساتھ لڑنا ہے، کب، کیسے، کیوں اور کس حد تک لڑنا ہے۔ اس لحاظ سے، عسکری ڈاکٹرائن فوجی ادارے کے دماغ، جذبات، اور ضمیر کا کردار ادا کرتی ہے۔

لہٰذا، جو کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ وہ اس ادارے میں سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے، اس ادارے کو حرکت میں لائے یا اِس ادارے کی مدد حاصل کرے تو اُسے اِس ڈاکٹرائن کو ایک فیصلہ کن داخلی راستے کے طور پر اپنا ہدف بنانا ہوگا، بشرطیکہ وہ ڈاکٹرائن فوج کے جوانوں اور عوام کے درمیان مشترک ہو۔ لیکن اگر بدن تو مسلمان ہو اور عقل، جذبات اور حواس مغربی، عیسائی یا صیہونی ہوں، تو یہ استعماری غلامی، زوال، اور سیاسی خودکشی کا نسخہ بن جاتا ہے۔

**(حصہ دوم)**

## اسلامی عسکری ڈاکٹرائن: ثقافتی پہلو کی بنیاد:

### 1- اطاعت اور انکار (الولاء والبراء)

عسکری ڈاکٹرائن کے اسلامی تصور کا لب لباب اطاعت کرنے اور انکار کرنے کے اصول میں مضمر ہے۔ اور یہ اصول رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ جن قبائل سے نُصرہ (مادی مدد) طلب کی گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان پر اپنی نبوت پر ایمان لانے، رسالت کے پیغام پر ایمان لانے اور رسالت کے سیاسی منصوبے پر ایمان لانے کی شرائط عائد کیں۔ آپ ﷺ نے یہ شرط بھی رکھی کہ وہ قریش کے مشرکین کے خلاف کسی قسم کے تحفظات کے بغیر لڑیں گے کیونکہ قریش اللہ جل جلالہ کی مخالفت کرتے تھے، اس کے رسول ﷺ کا انکار کرتے تھے، اور حق کی بجائے باطل پر بھروسہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنو عامر بن صعصعہ اور بنو شعبان کی مشروط مدد کو بھی مسترد کر دیا کیونکہ اس سے نُصرہ (مادی مدد) کا مقصد ہی کمزور پڑ جاتا اور اس کی اصل قدر مفقود

ہو جاتی، جس سے جنگ کا دائرہ اور اسباب محدود ہو جاتے، اور اس کے ساتھ ساتھ مطلوبہ مقاصد بھی محدود ہو کر رہ جاتے۔ ان قبائل کی شرائط انسانی قوانین اور دنیاوی مفادات کو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے شرعی قوانین اور اسلام اور مسلمانوں کے مفادات پر فوقیت دیتی تھیں، جس سے کفار کو مؤمنوں پر اختیار حاصل ہو جاتا۔

اطاعت اور انکار کا اصول اسلام میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ یہی اصول ہی ایک مسلمان کو، چاہے وہ شہری ہو یا فوجی، یہ واضح کرتا ہے کہ کس کی حمایت کرنی ہے اور کس سے لاتعلقی اختیار کرنی ہے، اور یہ کہ معاہدات اور دشمنی کی بنیاد کیا ہونی چاہیے۔ یہی اصول ہی وہ شرعی جائز مفادات طے کرتا ہے جن کے لئے لڑنا ضروری ہے، کہ کس دشمن کے خلاف لڑنا ہے، یا کس اتحادی کے ساتھ مل کر لڑنا ہے، اور یہاں تک کہ فوج میں شمولیت کے فریضہ کا حکم، جہاد کی نوعیت اور اس کے درجے، جنگ کی اقسام، خواہ وہ نظم و ضبط کے لیے ہو، بغاوت کے خلاف ہو، یا دشمن کے خاتمہ کے لیے ہو، اور مزید یہ کہ شہید ہو جانے والے کی جزا کیا ہو گی۔ یہ اصول بنیادی طور پر اسلامی عقیدہ پر مبنی ہے۔ اطاعت کرنا اور انکار کرنا خالصتاً اور صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے لیے ہی ہونا چاہئے۔ ہم صرف ان کے ساتھ ہی اتحاد کرتے ہیں جو اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ اتحاد کرتے ہیں، اور ہم صرف ان سے لاتعلقی اختیار کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خلاف لڑتے ہیں۔ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، **« أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ؛ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى »** "مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اور اگر وہ یہ سب کر لیں، تو انہوں نے اپنی جانوں اور مال کی مجھ سے حفاظت لے لی، سوائے اس کے کہ وہ کوئی ایسا عمل کر بیٹھیں جو اسلام میں قابلِ سزا ہو۔ تو ان کا ذمہ اللہ کے پاس ہو گا"۔ (بخاری اور مسلم)

اسلامی ریاست کے لئے اسلامی عقیدہ ہی اس کا سیاسی نظریہ ہے۔ یہی عقیدہ ہی ریاست کی وہ اساس ہے، کہ جس کے بغیر ریاست کا ڈھانچہ، ساخت، احتساب، یا ریاست سے متعلق کچھ بھی امر وجود نہیں رکھ سکتا، کیونکہ کل اوامر کا اسلامی عقیدہ پر استوار ہونا لازمی ہے۔ یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس کے گرد ریاست کے فکری مفاہیم(concepts)، معیار (criteria) اور اعتقادات(convictions) کا احاطہ کرتے ہوئے ریاست کی اتھارٹی قائم ہوتی ہے، اور انہیں ریاست داخلی طور پر نافذ کرتی ہے اور اسی دعوت کا پیغام دنیا تک لے کر جاتی ہے۔ اور اسی عقیدہ کا تقاضا یہ ہے کہ ریاست کا ڈھانچہ، اس کے تمام نظام ہائے حیات، آئین، اور قوانین اسلامی عقیدہ سے ہی ہم آہنگ ہوں اور بعینہٖ اسی طرح سے فوجی ڈاکٹرائن بھی اسلامی عقیدہ سے ہم آہنگ ہونا لازمی ہے۔ مزید یہ کہ، فوج کا ادارہ ریاست کے ڈھانچے میں ایک اہم ستون ہوتا ہے، کیونکہ اسلامی ریاست ایک پُرعزم ریاست ہوتی ہے، اور اس میں جہاد جاری رہتا ہے، چاہے وہ حق کو پھیلانے کے لئے ہو یا شر کے خاتمہ کے لئے۔ لہٰذا، فوجی ڈاکٹرائن میں کوئی بھی تبدیلی، خواہ وہ معمولی

سی ہی کیوں نہ ہو، ریاست کو اس کے اسلامی کردار سے محروم کر دیتی ہے اور ریاست کی حاکمیت اور اس کی خودمختاری کو سلب کر لیتی ہے۔ اطاعت کرنا اور انکار کرنا خالصتاً اور صرف اور صرف اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے ہی ہونا لازم ہے۔ جدید سیاسی اصطلاح میں اسے فوج کے ادارے کے جنگی ڈاکٹرائن کے ضابطہ کے طور پر جانا جاتا ہے۔

## 2۔ جامعیت اور کمال

عسکری ڈاکٹرائن کا اسلامی عقیدہ پر استوار ہونا ہی اسے جامع اور مکمل بناتا ہے۔ یہ ڈاکٹرائن کسی بھی عسکری معاملے کو، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، تفصیل، وضاحت، اور شرعی تدوین کے بغیر یونہی نہیں چھوڑ دیتا۔ اس ڈاکٹرائن میں جنگی ڈاکٹرائن، سکیورٹی ڈاکٹرائن، نقل و حمل، فوجی حکمت عملی، اسلحہ سازی، فوجی ٹریننگ، افواج میں بھرتی، افواج کا حرکت میں لانا، تنظیمی کاروائی، اقدامِ حرب، ثقافت، روحانیت، اخلاقیات، اور طرزِ عمل شامل ہیں۔ اسلام عسکری ڈاکٹرائن کو نہایت خاص اہمیت دیتا ہے کیونکہ اسلام کی سربلندی یعنی جہاد کے لئے اس ڈاکٹرائن کا خاصا اہم کردار ہے اور اسی نظریہ میں ہی وہ اہلیت ہے جو ایک مسلم مجاہد کو روحانی طور پر طاقت بخشتی ہے، اور اس سے اس کی جنگی کارکردگی ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اسی لئے اسلامی شرعی احکام فوجی امور کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں، چاہے وہ عقائد ہوں، نظریاتی ہوں، جغرافیائی حکمت عملی سے متعلق ہوں، تکنیکی امور سے متعلق ہوں، ترغیب دلانے کے لئے ہوں، سیاسی تحفظ کے لئے ہوں، یا انسانی اخلاقیات کے حوالے سے ہوں، اور یہ ڈاکٹرائن ان تمام امور کو لازمی شرعی احکام قرار دیتے ہوئے ان پر اسلامی مہر ثبت کرتا ہے جن کی پابندی کرنا لازم ہوتا ہے:

**نظریاتی سطح پر،** اسلام فوج میں اسلامی ثقافت اور اسلام کے عمومی فہم کو راسخ کرنے اور اس میں اسلامی عقیدہ کو پیوست کرنے پر زور دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں توبہ کرنے، عبادت کرنے، روزے رکھنے، نماز پڑھنے، نیکی کا حکم دینے، برائی سے منع کرنے، اور جنت کے حصول کی خاطر جان و مال تک قربان کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿**إِنَّ ٱللَّهَ ٱشۡتَرَىٰ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ أَنفُسَهُمۡ وَأَمۡوَٰلَهُم بِأَنَّ لَهُمُ ٱلۡجَنَّةَۚ**﴾ ”بے شک اللہ نے مؤمنین سے جنت کے عوض ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں“ (التوبۃ: 9:111)، اور اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے، استقامت کرنے اور اگلے مورچوں کی حفاظت کرنے پر بھی زور دیا، ارشاد ہے، ﴿**يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصۡبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ**﴾ ”اے ایمان والو! تم صبر کرو، اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور جنگ کی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ“ (آل عمران: 3:200)۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیں اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے کی ترغیب دی، «**مَقَامُ الرَّجُلِ فِي الصَّفِّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ**

**الرَّجُلِ سِتِّينَ سَنَةً»** ”ایک شخص کا اللہ کی راہ میں جہاد کی صف میں کھڑا ہونا ایک آدمی کے ساٹھ سال تک عبادت کرنے سے زیادہ افضل ہے“۔

**اور ٹیکنیکل سطح پر،** اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے مادی تیاری کرنے کو فرض قرار دیا ہے، جس میں اسلحہ، سازوسامان، اور وسائل کو اپنی بہترین صلاحیتوں کے مطابق بروئے کار لانا شامل ہیں، تاکہ دشمن پر رعب طاری کیا جاسکے۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جدید فوجی ترقیات اور ٹیکنیکل ترقی کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿**وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسۡتَطَعۡتُم مِّن قُوَّةٖ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدْوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ**﴾ ”اور جہاں تک ہو سکے قوت و طاقت سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو تاکہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں پر ہیبت ڈال سکو“(الانفال؛8:60)۔ اس تیاری کی علت (شرعی وجہ) یہ ہے کہ دشمن پر ہیبت طاری کی جائے، اور یہ تیاری وقت، جگہ، دشمن کی تعداد، اور ٹیکنیکل ترقی کے لحاظ سے بدل بھی سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسلامی فوج کی ترقی اور اسے ایسے اسلحے سے لیس کرنے پر بہت توجہ دیتے تھے جو عربوں کے لیے نئے تھے۔ آپ ﷺ نے اہلِ طائف کے خلاف منجنیقیں نصب کرائیں، مدینہ کے اطراف خندق کھدوائی، اور جدید ترین ہتھیار درآمد کیے، اور ان ہتھیاروں کی اسلحہ سازی سیکھنے کے لیے ان کے پاس اپنے سفیر بھیجے جو اس کام کے ماہرین تھے۔ آپ ﷺ تیر اندازی، گھڑ سواری، اور تیراکی سیکھنے کی بھی ترغیب دیتے تھے، جو آپ ﷺ کے دور کے جدید ترین فوجی علوم میں شامل تھے۔

### 3۔ افواج کو حالتِ جنگ میں لانا اور ان کی ٹریننگ:

عملی طور پر افواج کو حالتِ جنگ میں لانے کے لئے اسلام نے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا ہے اور فوجی تربیت کو لازم قرار دیا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں، ﴿**وَقَٰتِلُوهُمۡ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتۡنَةٞ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِۖ**﴾ ”اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین سب اللہ کا ہو جائے“ (الانفال؛ 8:39)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ»** ”اپنے مالوں سے، اپنی جانوں سے اور اپنی زبان سے مشرکین کے خلاف جہاد کرو“(ابو داؤد)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قتال کرنے پر زور دیا ہے، ﴿**يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ عَلَى ٱلۡقِتَالِۚ**﴾ ”اے نبی، مومنوں کو جہاد پر ترغیب دو“ (الانفال؛ 8:65)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ شہادت پانے کی بھی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، ﴿**وَلَا تَحۡسَبَنَّ ٱلَّذِينَ قُتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَمۡوَٰتَۢاۚ بَلۡ أَحۡيَآءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُونَ**﴾ ”جو لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے روزی دیئے جاتے ہیں“ (آل عمران؛3:169)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا، **«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُقَاتِلُهُمُ الْيَوْمَ رَجُلٌ فَيُقْتَلُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ»** ”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آج کوئی بھی شخص ایسا نہ ہو گا جو ان سے

لڑتے ہوئے صابر رہے، ثواب کی طلب میں آگے بڑھتا رہے، پیٹھ نہ دکھائے اور مارا جائے تو اس کا صلہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا" (ابن اسحٰق)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ صبر کرنے اور استقامت دکھانے کی ترغیب دیتے ہوئے مزید فرماتے ہیں، ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱصۡبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ﴾ "اے ایمان والو! تم صبر کرو، اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور جنگ کی تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ" (آل عمران؛3:200)۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ کی راہ میں پہرہ دینے کی اہمیت پر زور دیا، «عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ» "دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں جہنم کی آگ کبھی نہ چھو پائے گی، ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روتی ہے اور دوسری وہ آنکھ جس نے اللہ کی راہ میں جہاد میں پہرہ دینے پر گزار دی" (ترمذی)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم پر یہ فرض کیا ہے کہ ہم اپنے مومن مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کریں، ﴿وَإِنِ ٱسۡتَنصَرُوكُمۡ فِي ٱلدِّينِ فَعَلَيۡكُمُ ٱلنَّصۡرُ﴾ "اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر (ان کی) مدد کرنا لازم ہے" (الانفال؛8:72)۔

**اسٹریٹیجک-سکیورٹی سطح پر**، رسول اللہ ﷺ فوجی منصوبہ بندی اور چالوں پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ آپ ﷺ ان معلومات کو مشرکین سے چھپاتے، انٹیلی جنس جمع کرتے، جاسوسوں اور مخبروں کو تعینات کرتے، اور رومیوں اور فارسیوں پر رعب ڈالنے کے لئے چالیں چلتے تھے (مثلاً غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک میں)۔ آپ ﷺ نے غطفان کو قریش سے الگ کرنے یا ان کے اور یہودیوں کے درمیان اتحاد توڑنے کے لئے بھی چالیں چلیں۔

**4۔ عسکری اخلاقیات:**

اخلاقی سطح پر، رسول اللہ ﷺ نے ایک اخلاقیاتی فوجی ضابطہ قائم کیا جو اعلیٰ انسانی اخلاقیات کو واضح طور پر بیان کرتا تھا، جن پر ایک مسلمان سپاہی کو جنگوں کے دوران عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، «لَا تَخُونُوا، وَلَا تَغُلُّوا، وَلَا تَغْدِرُوا، وَلَا تُمَثِّلُوا، وَلَا تَقْتُلُوا طِفْلًا صَغِيرًا، وَلَا شَيْخًا كَبِيرًا، وَلَا امْرَأَةً، وَلَا تَقْطَعُوا نَخْلًا وَلَا شَجَرَةً مُثْمِرَةً، وَلَا تَذْبَحُوا شَاةً وَلَا بَقَرَةً وَلَا بَعِيرًا إِلَّا لِمَأْكَلَةٍ. وَسَوْفَ تَمُرُّونَ بِأَقْوَامٍ قَدْ فَرَّغُوا أَنْفُسَهُمْ فِي الصَّوَامِعِ فَدَعُوهُمْ وَمَا فَرَّغُوا أَنْفُسَهُمْ لَهُ» "غداری نہ کرو، دغا نہ دو، دھوکہ نہ دو، اعضاء نہ کاٹو، چھوٹے بچوں، بزرگوں، یا عورتوں کو قتل نہ کرو۔ کھجور کے درختوں یا پھل دار درختوں کو نہ کاٹو، اور نہ ہی بکریوں، گائے، یا اونٹوں کو سوائے اس کے کہ کھانے کے لئے ذبح کرو۔ تمہارا ایسے لوگوں سے سامنا ہو جنہوں نے اپنے آپ کو خانقاہوں میں عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے تو انہیں اور ان کے کام کو چھوڑ دو"۔

اخلاقیات کا یہ ضابطہ انسانیت کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا پہلا ضابطہ تھا، جو کہ اس جنیوا کنونشنز سے بھی چودہ صدیوں قبل آ گیا تھا، جس پر پہلی جنگِ عظیم کے بعد بڑی طاقتوں نے اتفاق کیا تھا۔ مزید یہ کہ اسلام کے احکام لازمی شرعی احکام ہیں جو کہ رنگ، نسل یا مذہب سے قطع نظر تمام انسانیت پر لاگو ہوتے ہیں۔ اسلام کے احکام جنیوا کنونشنز کے قوانین کی طرح نہیں ہیں جو پروپیگنڈے کے لئے ہیں یا ان کی نوعیت یہ ہے کہ انہیں منسوخ کیا جا سکتا ہے، اور صرف یورپی عیسائی علاقوں تک ہی محدود ہیں، جبکہ دیگر لوگوں کے لئے ان قوانین کی کچھ پرواہ نہیں کی جاتی۔ اس کی مثال غزہ کے لوگوں کے خلاف کئے جانے والے خونریزی اور قتل عام کے مظالم ہیں، جو عین ان کی آنکھوں کے سامنے برپا ہو رہے ہیں جو انسانی حقوق کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی عسکری ڈاکٹرائن پر انحصار استحکام، مستقل مزاجی، اور تسلسل کو یقینی بناتا ہے، جبکہ اس کے برعکس جدید سیکولر عسکری ڈاکٹرائن جو کہ بیرونی تکنیکی، سیاسی، سکیورٹی صورتِ حال اور حکمت عملی کے اثرات کے تابع ہے۔ اور اسی وجہ سے موجودہ سیکولر ڈاکٹرائن مسلسل تبدیلی اور تغیر کا شکار ہوتا رہتا ہے۔

### 5۔ نظریاتی آمیزش:

اسلامی عقیدہ ہی اسلامی عسکری ادارے کا دماغ، احساسات اور جذبات ہوتا ہے۔ یہی عقیدہ ایک مسلمان مجاہد کی ذہنیت کو تشکیل دیتا ہے، اس کے منفرد عسکری کردار کو قائم کرتا ہے، اور اسلامی عسکری ڈاکٹرائن کو اعلیٰ اصولوں اور عظیم روحانیت سے بھر دیتا ہے۔ اس عقیدہ کے براہ راست اثرات کارکردگی، ساکھ اور کامیابیوں کے حوالے سے مسلمان مجاہد سپاہی اور اسلامی فوج پر ہوتے ہیں۔ اسلامی عقیدہ نے ہی اسلامی دور سے قبل کے مردہ جسم میں جان ڈال دی تھی، اور اس نے عربوں اور تمام مقبوضہ اقوام کو ایک نڈر شیر میں بدل دیا جو نہ تو موت سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی ان کے آگے کوئی مقابلہ کے لئے ٹھہر سکتا ہے۔ اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات کے عین مطابق ہے، ﴿**أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ**﴾ "کیا وہ جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندگی عطا کی اور اسے ایک روشنی دی جس کے ساتھ وہ لوگوں کے درمیان چل سکتا ہے، کیا وہ ان لوگوں کی مانند ہو سکتے ہیں جو مکمل اندھیرے میں ہیں اور اس سے وہ کبھی باہر نہیں نکل سکتے؟ اسی طرح ہم نے کافروں کے اعمال ان کے لیے خوشنما بنا دیئے ہیں" (سورۃ الانعام؛6:122)۔ یہ عقیدہ مسلمان مجاہد میں قربانی اور لگن کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے، خیر کے منبع سے تقویت دیتے ہوئے اسے بھرپور قوت اور غیر معمولی طاقت سے بھر دیتا ہے، اور اسے شہادت کی آرزو رکھنے والا ایک امیدوار بنا دیتا ہے۔ جہاد اسلام کا عروج ہے، اور شہادت مؤمن کا حتمی عزم ہوتا ہے۔ کوئی بھی اور قوم ایسی نہیں جس کے لوگ ایسے ہوں جو اپنے عقیدے کے خاطر اپنی جانیں تک قربان کر دیں اور اپنے آپ کو موت کے لیے اس طرح پیش کر دیتے ہوں، جیسا کہ اسلامی امت کے لوگ کرتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کیونکہ اسلامی عقیدہ اپنے ماننے والوں سے جبلتِ بقا کے بنیادی مقصد کو دور کر دیتا ہے، انہیں غیر معمولی حوصلے اور بے مثال جرأت مندی سے بھر دیتا ہے،

اور انہیں موت کو کسی خاطر میں نہ لانے اور حتیٰ کہ موت کی ایسے آرزو کرنے پر راضی کرتا ہے، جیسے دوسرے زندگی کی آرزوئیں کرتے ہیں۔ ان کے لیے موت زندگی کا خاتمہ نہیں ہوتی بلکہ شہادت تو ہمیشہ باقی رہنے والی خوشیوں کے ساتھ حقیقی ابدی زندگی کا آغاز ہے، اور یہی جذبہ انہیں شہادت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اسلامی عقیدہ ہی روحانی نوعیت کے اعتبار سے ظاہر ہوتے ہوئے دشمن ہونے کے تصور کو تشکیل دیتا ہے، اور ایک مؤمن میں فریضہ ہونے اور جوابدہ ہونے کے حوالے سے شدید دشمنی کا احساس بھر دیتا ہے۔ ایک مسلمان جنگجو کی اپنے دشمن کے خلاف دشمنی اس کی ذاتی دشمنی یا کسی مفاد کے لئے نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تو ایک پاکیزہ دشمنی ہے کیونکہ وہ دشمن اللہ جَلَّ جَلَالُهُ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف لڑتا ہے اور زمین پر اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے نور کو بجھا دینے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ ان دشمنوں سے لڑنا بعینہٖ نماز کی طرح فرض ہے، کیونکہ یہ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ، اس کے رسول ﷺ، اور اس کے دین کے لیے فتح ہے، جو مسلمان مجاہد کو ایسی زبردست حربی قوت، طاقت، ثابت قدمی، اور عزم سے بھر دیتا ہے جو دنیاوی عقائد کو چیلنج کر دیتی ہے۔ اسلامی عقیدہ دشمن کی قدر و اہمیت کو بھی کم کرتا ہے، دشمن کے بودے پن اور نفسیاتی کمزوری کو عیاں کرتا ہے، اس کا مقام گھٹاتا ہے، اور مسلمان جنگجو کو اس کے خلاف ڈٹے رہنے کا حوصلہ دیتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿لَن يَضُرُّوكُمۡ إِلَّآ أَذٗىۖ وَإِن يُقَٰتِلُوكُمۡ يُوَلُّوكُمُ ٱلۡأَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ﴾ "وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، سوائے اس کے کہ ایک معمولی تکلیف دیں۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو وہ بھاگ جائیں گے اور ان کے پاس کوئی بھی مددگار نہ ہو گا" (آل عمران؛ 3:111)۔ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ یہ بھی فرماتے ہیں، ﴿لَا يُقَٰتِلُونَكُمۡ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرٗى مُّحَصَّنَةٍ أَوۡ مِن وَرَآءِ جُدُرِۭۚ بَأۡسُهُم بَيۡنَهُمۡ شَدِيدٞۚ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيعٗا وَقُلُوبُهُمۡ شَتَّىٰۚ﴾ "وہ تم سے سب مل کر کبھی نہیں لڑیں گے، مگر محفوظ قلعوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے۔ ان کے درمیان دشمنی شدید ہے، تم انہیں متحد سمجھتے ہو، مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں" (سورۃ الحشر 59:14)۔ اللہ جَلَّ جَلَالُهُ مزید فرماتے ہیں، ﴿وَلَا تَهِنُواْ فِي ٱبۡتِغَآءِ ٱلۡقَوۡمِۖ إِن تَكُونُواْ تَأۡلَمُونَ فَإِنَّهُمۡ يَأۡلَمُونَ كَمَا تَأۡلَمُونَۖ وَتَرۡجُونَ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا يَرۡجُونَۗ﴾ "دشمن کا تعاقب کرنے میں سستی نہ دکھاؤ۔ اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو جیسے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے ویسے ہی انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ لیکن تم اللہ سے ایسی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے" (سورۃ النساء 4:104)۔ یہ آیات اور دیگر آیات دشمن کی اوقات کو بے نقاب کرتی ہیں، اسے اس کی عزت سے محروم کرتی ہیں، اور اسے ایک ایسی کھلی کتاب کی طرح ظاہر کرتی ہیں، جس کی سیاہی ان کی بزدلی، کمزوری، اور ناگزیر شکست ہے۔

تو یہ ہوتا ہے اسلامی فوج کا ڈاکٹرائن اور ایسی ہوتی ہیں اس کی نظریاتی اساس اور اس کے عملی ثمرات، جنہوں نے تاریخِ اسلامیہ کو ایسے بے مثال کارناموں اور دلیرانہ واقعات سے بھر دیا، جو دنیاوی مادی عقائد کو چیلنج کرتے تھے۔ تو پھر آخر استعماری کافر نے اس ڈکٹرائن کو کیسے ہدف بنالیا؟

## اسلامی عسکری ڈاکٹرائن کے خلاف استعماریت کی حکمت عملی:

### 1۔امت کی شناخت کو نشانہ بنانا:

حربی قوت کے لیے اسلامی عسکری ڈاکٹرائن کی قدر واہمیت اور میدانِ جنگ میں مسلمان سپاہیوں کے کارناموں پر اس ڈاکٹرائن کا طاقتور اثر، کفر کے سربراہوں اور استعماریت کے ماسٹر مائنڈز سے مخفی نہ رہا۔ صدیوں کی جنگوں کے دوران، انہوں نے اس ڈاکٹرائن کے اثرات کو براہ راست محسوس کیا، اور اسی لیے انہوں نے اپنے تخریبی منصوبوں میں اس ڈاکٹرائن کو سبوتاژ کرنے کو اولین ترجیح دی۔ سلطنتِ عثمانیہ کے سقوط سے پہلے، انہوں نے آزاد عیسائی مِشنریوں، اسلام کا لبادہ اوڑھنے والے یہودی ڈونمہ بہروپیوں (Jewish Dönmeh)، کمیٹی برائے اتحاد وترقی اور ان کے ساتھ ساتھ نوجوان ترکوں کے ہاتھوں اس ڈاکٹرائن کو مسخ کرنے، تبدیل کرنے، اور اس میں ترامیم کے ذریعے اسے نشانہ بنایا۔ ان گروہوں نے امت کو داخلی تنازعات میں دھکیلتے ہوئے عسکری ڈاکٹرائن کو تحلیل کر کے کمزور کیا اور اطاعت اور انکار (الولاء والبراء) کے تصور کو قوم پرستی، ترک پرستی اور وطنیت پسندی کے کرپٹ زہر سے بگاڑ دیا، جس سے امت کی یکجہتی کمزور ہو کر رہ گئی، اس کی طاقت ٹوٹ گئی، اور اسے مہلک ضرب لگی۔

خلافت کے انہدام اور قومی سرحدوں پر مشتمل ممالک کے قیام کے بعد، کفار نے امت کی افواج کو دشمن کے مفادات کو پورا کرنے کی خاطر سائیکس-پیکو کی کھینچی لکیروں کی حفاظت کرنے، اپنے ہی لوگوں پر جبر کرنے، ان کے اندر موجود اسلامی روح کو بجھا دینے اور ان کا استحصال کرنے اور ان کی حرمات کی پامالی کرنے کے لئے ان کے علاقوں کو کھولتے ہوئے، ان کی تشکیل بندی اور تسلط کے ذریعے اس اسلامی عسکری ڈاکٹرائن کو مزید نشانہ بنایا۔ یہ جانتے ہوئے کہ ناقابل تسخیر قلعوں کو صرف اندر سے ہی ضرب لگائی جاسکتی ہے، اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ اسلامی فوج اسلامی امت کا حصہ ہے، کفار نے امت کی فکری اور تحریکی شناخت کو نشانہ بناتے ہوئے عسکری ڈاکٹرائن کو کمزور کرنے کا راستہ ہموار کیا۔ انہوں نے سائنس، طب، جدیدیت اور مہارت کے تبادلے کی آڑ میں ثقافتی حملوں کے ذریعے مسلم وجود میں نظریاتی اور سیاسی طور پر دراندازی کرنے کی کوشش کی۔ ان کی حملہ آور مہمات نے اسلامی اقوام کی شناخت کو مسخ کرنے، اسلامی شخصیت کو مٹا دینے، اور ان کے خیالات، میلان، اور وفاداریوں کو اسلامی عقیدہ کے رشتہ اور خلافت سے وفاداری کی بجائے مغربی ثقافت، نسلی، قومی، اور فرقہ وارانہ رشتوں کی بنیاد پر دوبارہ تشکیل دینے کا کام کیا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے تعلیمی نظام، میڈیا، سیکولر اشرافیہ، گمراہ کن علماء، اور سیاسی و فوجی چالوں کا استعمال کیا۔

چونکہ افواج اپنے عوام کا ہی عکاس ہوتی ہیں، چنانچہ اس زہر آلود اقدام نے ان کے عسکری ڈاکٹرائن کو نشانہ بنانے میں آسانی پیدا کر دی، جس کے نتیجے میں انہیں بے مثال کامیابی حاصل ہوئی، جس نے ان فوجوں کو اپنے ہی لوگوں کے خلاف جنگ کے آلات اور اپنے

دشمنوں کے محافظوں میں تبدیل کر دیا۔ آخر استعماری کفار نے اس قدر مشکل معاملے کو کیسے حاصل کیا، اور اس صورتحال سے امت کے موجودہ اور مستقبل کے حالات پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

### 2۔ عسکری عمرانیات (Military Sociology):

ایک ایسے مشن کا سامنا کرتے ہوئے جو پہلی نظر میں تو ناممکن لگتا تھا، استعماری کفار نے اپنے آپ کو عسکری سوشیالوجی کے نظریات سے مسلح کیا۔ انہوں نے ڈاکٹرائن، وفاداریوں، تنظیمی ڈھانچے، تنظیم بندی، ٹریننگ، اسلحہ اور کام کی نوعیت سطح پر جا کر مسلم علاقوں کی افواج کی بنیادی تنظیم نو کی۔ انہوں نے اسلامی عسکری ادارے میں ایک بیرونی روح بھر دی، جو اس کے ساتھ ہم آہنگ نہ تھی، یہاں تک کہ وہ اس حد تک بڑھ گئی کہ اس کے فوجی اور جنگی نظریے کو اس کے مذہبی نظریے کے ہی خلاف کر دیا، جس سے اندرونی طور پر ایک قسم کی علیحدہ شخصیت پیدا ہوئی۔ اس کے خیالات اس کے میلان سے منقطع ہو گئے، اس کے جذبات اس کی آگاہی سے علیحدہ ہو گئے، جس نے اسے استعمار کے ہاتھوں میں ایک گونگا اور بہرہ آلہ بنا کر رکھ دیا، جو کہ ایک عجیب تضاد کا شکار ایک خود تخریبی ہتھیار اور امت اور اس کے دشمنوں کے مابین اور امت اور اس کے ظالم حکمرانوں کے درمیان ایک مادی رکاوٹ بن کر رہ گیا۔ استعماری کفار نے ان افواج کی رہنمائی کرنے والے اطاعت و انکار کے تصور کو ہی مٹا ڈالا، ان کے اعمال کرنے کے معیار کو بگاڑ دیا، ان کے خوشی و سعادت کے تصور کو تبدیل کر دیا، اور زندگی، موت اور پسند سے متعلق ان کے تصورات کو بھی بدل دیا۔ کفار نے ان کے حوصلے کو کمزور کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کو ماند کرنے کے لیے کافی محنت کی، ان کے قربانی، حوصلے، اور لگن کی روح کو مٹا دیا، انہیں دنیاوی مفادات کے پیچھے دوڑنے والے کرائے کے سپاہیوں میں تبدیل کر دیا، جو خوشی، منافع، عہدوں، تمغوں، ترغیبات، ترقیوں کی دُھن میں تھے، اور اپنے ہی لوگوں اور امت اسلامیہ میں اپنے ہمسایوں کے خلاف فرضی کامیابیوں کی تلاش میں لگے رہتے تھے۔

کفار نے مسلم سپاہیوں کو میدانِ جنگ کے شیروں اور جانثاروں کی نسلوں سے بدل کر انہیں محض پریڈوں اور کھوکھلے جلسے جلوسوں کے افراد میں تبدیل کر دیا جنہیں امن کے دَور میں شہری تحفظ، آگ بجھانے اور عوامی نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اور یوں انہیں اللہ جل جلالہ کی راہ میں جہاد اور فتح کے عظیم مشن سے ہٹا دیا۔ وہ عسکری ڈاکٹرائن جو کسی دور میں طاقتور ترین افواج کو بھی دہلا کر رکھ دیتا تھا اور اس نے تاریخ کی عظیم ترین فتوحات حاصل کی تھیں، استعماری کفار نے اس ڈاکٹرائن کو اقدامی ڈاکٹرائن سے بدل کر ایک دفاعی ڈاکٹرائن میں تبدیل کر دیا، جس نے اسلامی فوج کو، جو دعوت اور جہاد کی علمبردار تھی، ایک قومی جمہوری فوج میں بدل دیا، جس کا کام سائیکس-پیکو کی کھینچی لکیروں کی حفاظت کرنا، جمہوری نظام اور اس کے حکمرانوں کی حفاظت کرنا، مغربی ثقافت، مغربی نظاموں اور ان کے مفادات کا دفاع کرنا، اور مسلمانوں کو تقسیم کرنے کے لیے بنائی گئی مصنوعی قومی سرحدوں کی حفاظت کرنا رہ گیا تھا۔ ان سرحدوں پر وہ جھنڈے نصب تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے رایہ (جھنڈے) کی جگہ لے لی تھی۔

### 3۔ کنٹرول کو مزید تر سخت کرنا:

اس صورت حال کو بر قرار رکھنے اور اچانک ضمیر کی بیداری سے انہیں بچانے کے لیے، جو کہ معاملات کو دوبارہ ابتدائی حالت میں واپس کر سکتے ہیں، استعماری کفار نے ان افواج کے اذہان اور سیاسی موقفوں کو بھی سلب کرنے کی کوشش کی۔ کفار نے مسلمان سپاہیوں میں اسلام پسندوں کے خلاف ایک گہری نفرت اور شک پیدا کر دیا، ان کے درمیان دشمنی کے جال بُنے، اور انہیں "دہشت گرد" یا "ظلم کے ایجنٹ" کے طور پر پیش کیا۔ کفار نے ان کی خاموش غیر جانبداری کو یقینی بنایا، انہیں سیاسی امور سے الگ رکھا اور امت کے دل میں موجود ان کی یہ خواہش کہ وہ اس سیاسی امور کے دو لازمی عناصر یعنی عوام اور حکمرانی کے لئے طاقت کی منتقلی میں کردار ادا کریں، اس سے انہیں دور کر دیا، اور انہیں ایک غیر جانبدار تیسری پارٹی بنا دیا، جو رنگ، ذائقہ، یا بو سے عاری تھی، اور انہیں استعمار کے موقف اور منصوبوں اور مفادات کے ساتھ باندھ دیا۔

کفار نے اس صورتحال کو مزید مستحکم کرنے کے لیے ادارہ جاتی عہدوں میں سخت درجہ بندی قائم کی، اہم عہدوں پر ان لوگوں کو تعینات کیا جو کفار کے لیے سب سے زیادہ وفادار اور اسلامی شناخت سے دور تھے اور لوگوں میں کم قبولیت والے افراد مثلاً نسلی اور فرقہ وارانہ اقلیتوں کو مسلط کیا، جیسا کہ شام میں علوی اور پاکستان میں قادیانیوں کی مثال دی جا سکتی ہے۔ یوں ان کی کافر استعمار کے ساتھ وفاداری اندھی ہو گئی تھی، ان کا رشتہ کافر استعمار کے ساتھ ایسا ہی ناگزیر ہو گیا جیسے رحم میں موجود طفل کا رشتہ اپنی ماں سے ایک نالی سے جڑا ہوتا ہے۔ پھر کفار نے اس سب کو ایک سخت نظم وضبط کے نظام سے مزید تقویت دی تاکہ کوئی بھی شخص فوجی احکامات کو انکار کرنے کی جرأت نہ کر سکے، چاہے وہ احکام کتنے ہی غیر عادلانہ، غیر انسانی، یا اسلامی نظریے اور مسلمانوں کے مفادات کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔

فوج اور امت کے درمیان خلیج کو مزید بڑھانے کے لیے استعماری طاقتوں نے افواج کو ان کے اپنے لوگوں کے ساتھ تنازعات میں اُلجھا دیا، جیسا کہ رباء، الجزائر میں سیاہ دہائی، حماء، فلسطین کی دفاعی سیکیورٹی، اور اس کے علاوہ اپنے ہمسایہ مسلم قوموں کے ساتھ خونی فوجی جھڑپوں کے ذریعے امت اور اس کی طاقت کے درمیان ایک نفسیاتی دیوار قائم کی، تاکہ کفر کے خلاف امت کے اتحاد کو روکا جا سکے، اس کی مثالیں ایران اور عراق، مراکش اور الجزائر، سعودی عرب اور یمن، شام اور لبنان، لیبیا اور چاڈ، مصر اور لیبیا، عراق اور کویت، پاکستان اور افغانستان اور مصر اور سوڈان کے درمیان تنازعات ہیں۔ کفار نے علیحدہ خصوصی شہر قائم کرتے ہوئے فوجی اور سیکیورٹی فورسز کو عوام سے الگ کر کے علیحٰدہ بستیوں میں محدود کر دیا، جیسے کہ سعودی عرب کا ماڈل، انہیں کسی بھی قسم کی اسلامی مہک سے دور کیا، اور ان کی اس حد تک نگرانی کی کہ حتیٰ کہ ان کے سسرال اور بیویوں تک بھی نظر رکھی جیسا کہ تیونس میں ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ کفار نے فوجی افسران کو مادی فوائد میں ڈبوتے ہوئے اور سرمایہ دارانہ حرص سے آلودہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھوں کو معیشت میں کھلا چھوڑ دیا تاکہ کفار کے ساتھ ان کی وفاداری کو مزید گہرا کیا جاسکے، ان کے اپنے مفادات کی ضمانت کے بدلے انہیں کفار کے مفادات کا دفاع کرنے پر مجبور کیا، اور ان کی بقاء کو اپنے ساتھ ہم آہنگ کر دیا، جیسے کہ مصری فوج کی مثال ہے۔

### 4۔طاقت کو غیر موثر کر دینا:

یہ سوچتے ہوئے کہ امت کی یہ افواج کہیں کفار کے اس منصوبے سے باہر نہ نکل جائیں یا کہیں افواج کی طاقت اسلام پسندوں کے ہاتھ نہ لگ جائے، استعماری کفار نے انہیں ایوی ایشن، نیوی، آبدوزوں اور جوہری ٹیکنالوجی کے میدان میں انتہائی اہم نوعیت کی جنگی مہارت سے دور رکھتے ہوئے ان افواج کے پَر کاٹ دیئے۔ کفار نے ان افواج میں موجود ہونہار ترین افراد کو اپنے مقاصد کے لئے چنتے ہوئے انہیں مادی لذتوں کی طرف مائل کرنے یا پھر انہیں قتل کروا دینے کے لئے بھی کام کیا، جیسا کہ عراق اور مصر کے ایٹمی پروگرام کے سائنسدان اور تیونس کے ایروسپیس انجینئر محمد الزواری۔ کفار نے مسلم فوجیوں کو مغربی تعلیم، ٹیکنالوجی، اسلحہ، تربیت، اور جنگی مشقوں پر انحصار کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے انہیں صرف وہ ٹیکنالوجی مہیا کی جو مخصوص کاموں کے لیے ہی استعمال ہو سکے۔ اگر اس مخصوص کام کی نوعیت عوام سے حکومت کی حفاظت کرنا تھا، تو کفار نے انہیں شہری جنگ کے ہتھیار فراہم کیے، جیسے تیونس کی فوج کے لیے اسٹیر رائفلز Steyr AUG۔ اگر اس مخصوص کام کی نوعیت کا مقصد یہودی وجود کی حفاظت کرنا تھا، تو کفار نے انہیں ناقص ہتھیار فراہم کیے، جیسے 1948ء کی جنگ میں اردنی فوج کو جو ہتھیار فراہم کئے گئے تھے، یا پھر خود سے ان کا اسلحہ تباہ کیا، جیسا کہ 1967ء کی جنگ میں مصری فضائیہ کے ساتھ ہوا، یا پھر انہیں ایسے ہتھیار خریدنے پر مجبور کیا جنہیں وہ استعمال یا کنٹرول بھی نہیں کر سکتے تھے، جیسے سعودی عرب کے لیے AWACS (ایئربورن وارننگ اور کنٹرول سسٹم) نگرانی کے طیارے وغیرہ۔ اور اگر اس مخصوص کام کا مقصد ایک عسکری ڈرامہ رچانا تھا تاکہ امت کے غصے کو بھی کم کیا جائے اور یہودی وجود کا تحفظ برقرار رکھا جائے، تو کفار نے ان پر اسلامی عقیدے کی باگیں ڈھیلی کر دیں اور انہیں بہترین ہتھیار فراہم کیے، جیسا کہ 1973ء کی جنگ میں جو کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے لیے کی گئی تھی۔

اگر ان کا مشن اندرونی یا علاقائی طور پر اہم استعماری مفادات، بین الاقوامی اثر و رسوخ کی جنگ، اور سیاسی اسلام کے خلاف تھا، تو کفار نے مسلم افواج کو خطرناک اور مہلک ترین ہتھیار فراہم کیے۔ یہ اس شرط پر تھا کہ ان ہتھیاروں کا استعمال صرف مخصوص مشن کے لیے ہو، جیسے سوویت فوج کے خلاف افغان مجاہدین کے لیے اسٹنگر میزائل، خلافت کا مطالبہ کرنے والوں کو ختم کرنے کے لیے شامی کیمیائی ہتھیار، بھارت اور چین کو روکنے کے لیے پاکستانی ایٹمی ہتھیار، اور سُنّی (ممالک کے) گروہ کو استعمار کے بازوؤں میں دھکیلنے کے لیے ایران کا ایٹمی منصوبہ۔ اگر کفار کا ان افواج کے ڈاکٹرائن پر مضبوط کنٹرول نہ ہوتا، تو وہ ان خطرناک مہمات میں کبھی ہاتھ نہ ڈال پاتے

جن کے نتائج ان کے لئے اور یہودی وجود کے لیے غیر یقینی تھے۔ یہ اس لیے بھی اہم ہے کہ وہ ایسا مہلک اسلحہ اکٹھا کرتے جارہے ہیں، جو یہودی وجود سے صرف چند قدم کے فاصلے پر ہیں، لیکن ان علاقوں کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایک انگلی تک نہ ہلائیں جن پر یہودی وجود نے قبضہ کیا ہوا ہے، جیسے گولان کی پہاڑیاں اور رفح۔ مسلم افواج نے اپنے ہی مسلمان لوگوں کے خلاف یہ ہتھیار استعمال کیے، جیسے مصر، شام، عراق اور سعودی عرب میں، یا ان کو استعماری منصوبوں کے لئے مسلمانوں کی جانوں کی قربانی دے کر استعمال کیا، جیسے عراق ایران جنگ میں، یمن میں عرب اتحاد، اور شام و لیبیا میں ترک افواج نے کیا۔

### 5۔ نتیجہ:

اس بنیاد پر، تمام مسلم ممالک کے دساتیر نے متفقہ طور پر اپنی فوجی دفعات میں چھ اصولوں پر اتفاق کیا ہے:

- پہلا: فوج کے عسکری ڈاکٹرائن میں مذہب کو علیحدہ رکھنا۔
- دوسرا: فوج کا "دہشت گردی" اور ہر طرح کے اسلام سے لڑنے اور ریاست کی حدود کو اسلامی سرگرمیوں کی بنیاد، گڑھ، یا میدان بننے سے روکنے کا عہد۔
- تیسرا: فوج کو سیاسی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا پابند ہونا۔
- چوتھا: فوج کا اقتدار کی منتقلی میں کوئی کردار نہ ہونا۔
- پانچواں: فوج کو اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ حسنِ ہمسائیگی کے اصول پر عمل کرنا اور ان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کرنا۔
- چھٹا: فوج کا کسی بھی طرح کے حالات سے قطع نظر ہر حال میں اپنے عالمی معاہدات کا احترام کرنا۔

ان دفعات کے علاوہ ہر ریاست کی مخصوص صورتحال، حقائق، اور حالات کے مطابق کچھ اضافی دفعات بھی مختص کی گئی ہیں۔ تو یہ ہے وہ عسکری ڈاکٹرائن جو استعماری کفار نے موجودہ مسلم ممالک کی افواج کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس ڈاکٹرائن کے اصولوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ استعماری طاقتوں نے کس قدر بدنیتی سے مسلمان فوجیوں اور ان کے عسکری ادارے کی شخصیت کو اس انداز میں تشکیل دیا ہے کہ وہ کفار کے تابع رہیں اور ان کے کنٹرول میں ہوں۔ کفار نے ان کی دینی عقیدے کو کمزور کیا، اطاعت اور انکار (الولاء والبراء) کے اصول کو مٹا دیا، ان کے مفاد اور نقصان کے تصور، دشمن اور دوست کی پہچان کو بدل دیا، اور انہیں اسلحہ اور ٹریننگ میں کفار کے ساتھ منسلک کر دیا۔ کفار نے ان کی عقل، رائے، اور سیاسی مؤقف کو گدلا کر دیا، انہیں ان کے علاقائی حالات، عوام اور امت

سے جدا کر دیا، اور ان کے کردار و فرائض کو استعماری مفادات کی خدمت کے لیے موڑ دیا، اور اقوام کے وسائل لوٹنے کی عالمی دوڑ میں ان افواج کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا۔ کفار نے مسلم افواج کو ایک گونگے، اندھے مادی آلے میں تبدیل کر دیا تاکہ وہ ان کے مفادات اور ایجنٹوں کی حفاظت کرتے رہیں، اور ان کے ان منصوبوں کو پورا کریں جو اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بناتے ہیں، امت کی تقسیم کو برقرار رکھنے اور اس میں کسی اسلامی جذبے کو ابھرنے سے روکنے کے لیے، تاکہ اسلامی عقیدے کی بنیاد پر امت کا اتحاد نہ ہونے پائے۔

یوں آخر کار، استعماری کفار نے امت کی طاقت پر کنٹرول حاصل کر لیا، اس کی فوجی شناخت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، اور اسے اس کے اپنے دین، تہذیب، ثقافت، اور عوام کے خلاف کر دیا۔ کفار نے امت کی فوجی طاقت کو مردہ، بے جان لاشوں میں بدل دیا، جن میں بھلائی کی کوئی امید نہ ہو، اور پھر انہیں مقامی ایجنٹوں کے ذریعے خود اپنے آپ کو استعماری بنانے پر مجبور کر دیا۔

یہ ناقابل یقین تضاد کبھی ممکن نہیں ہو سکتا تھا اگر استعماری طاقتوں کا مسلم افواج کے عسکری ڈاکٹرائن پر کنٹرول نہ ہوتا، جس نے مسلم فوجوں کو ایک سیکولر مزاج، عمومی طور پر قوم پرست اکائی بنا کر دیا ہے، البتہ استثنائی طور پر کچھ نسلی اور فرقہ وارانہ رنگ بھی چھوڑ رکھا ہے؛ جس کا مشترکہ دشمن سیاسی اسلام ہے، اور جس کی داخلی، علاقائی، اور عالمی پالیسیاں اپنے مغربی آقاؤں کے مفادات کے گرد ہی گھومتی ہیں۔ اس نے مسلم افواج کو امت کے خلاف جنگ میں اور اس کے دشمنوں کے لیے امن کی ضمانت میں ایک آلہ بنا دیا ہے۔ تو کیا اب ہمیں کوئی حیرت ہونی چاہیے کہ مسلم افواج غزہ میں اپنے بھائیوں کی مدد کرنے اور غاصب یہودی وجود کے خلاف ان کی حمایت کرنے سے کیوں گریز کرتی ہیں؟

## مسلمان افواج کو دوبارہ اپنی امت کے ساتھ جوڑنا

### 1۔ ممکنات کے دائرے میں رہتے ہوئے:

مسلم افواج کی حالت کا جائزہ لینے اور اس مرض کی نشاندہی کر لینے کے بعد جو ان کے بنیادی ڈھانچے کو کھائے جاتی ہے، ان کی حرکت کو مفلوج کرتی ہے، ان کے خیر کے منبع کو خشک کر دیتی ہے، انہیں ان کی امت سے بیگانہ کر دیتی ہے، ان کے عظیم مشن سے بھٹکاتی ہے، اور انہیں دشمنوں کی خدمت کرنے پر مجبور کرتی ہے، اس سے ایک مرکزی سوال پیدا ہوتا ہے: کیا اس استعماری گرفت کو توڑ کر مسلم افواج کو دوبارہ امت کی آغوش میں لانا ممکن ہے، تاکہ وہ ان اہم مقاصد کے لیے وقف ہو جائیں؟ کیا یہ مشن قابلِ عمل بھی ہے اور ممکنات کے دائرے میں آتا ہے یا یہ ایک ناممکن کام ہے؟

جواب دینے سے پہلے، ابتدا ہی سے یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ استعماریت نے مسلم افواج کے ساتھ جو کچھ حاصل کیا، وہ نہ کوئی معجزہ تھا اور نہ ہی مافوق الفطرت، اور نہ ہی اسے پورا کرنے کے لیے غیر معمولی افراد کی ضرورت تھی، خاص طور پر خلافت کے زوال، غداریوں کی بھرمار، جہالت، پسماندگی، غربت، اور اسلام کے صحیح فہم کی کمی کے دور میں جو اس وقت امت میں غالب تھا۔ لارنس آف عریبیہ کوئی غیر معمولی شخصیت نہیں تھی کہ اس نے جزیرہ عرب کے بدوؤں کو ان کے اسلامی ریاست کے خلاف بھڑکانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس نے صرف ان کے وفاداری اور انکار کے اصول میں تھوڑی سی تبدیلی کی، اسلامی خلافت سے عرب خلافت کی طرف، جس نے امت کو تباہی کی طرف دھکیل دیا۔ یہی بات فرانس، روس، اور اٹلی کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے جنہوں نے مسلم افواج کو اسلامی سرزمینوں کو زیر کرنے کے لیے استعمال کیا۔ یہ جرم سیاسی ممکنات کے دائرے میں آتا ہے، اس سے ماوراء نہیں ہے۔ استعماری طاقتوں نے مسلم افواج پر عسکری سماجی علوم کے نظریات کا اطلاق کیا، ان کی گہرائیوں کا مطالعہ کیا، ان کی کمزوریوں کو سمجھا، اور اپنے ایجنٹوں، بے تحاشہ خرچ، اور عسکری اداروں پر کنٹرول کے ذریعے ان کا استحصال کیا۔ پھر استعماریت نے مسلم جنگجوؤں کے کمانڈ سینٹر، ان کے عسکری اور جنگی ڈاکٹرائن پر مضبوط گرفت حاصل کی، اور ان کی فوجی ذہنیت اور رجحانات کو اس طرح ڈھالا کہ وہ ان کے دینی عقائد کے برخلاف ہو گئے۔ اس نے ان کے وفاداری اور انکار کے تصور کو مٹا دیا، ان کے بھلائی کے عمومی تصور کو بدل دیا، ان کی زندگی اور موت کی ترجیحات تبدیل کر ڈالی، اور ان کے خوشی و سعادت کے تصور کو از سرِ نو ترتیب دیا اور یوں انہیں مکمل طور پر اپنے احکامات کے تابع بنا دیا۔

## مرض کی تشخیص:

مسلم افواج کا مسلم مسائل پر، خاص طور پر غزہ کے واقعات کے حوالے سے، ہچکچاہٹ اور ملی بھگت پر مبنی مؤقف ان کے اصل اندرونی احساسات اور مواقف کی عکاسی نہیں کرتا۔ وہ شدید غم و غصہ اور مایوسی کا شکار ہیں۔ ان پر ایک سخت تادیبی نظام کے تحت زبردستی ناپسندیدہ احکامات نافذ کرائے جاتے ہیں، جبکہ وہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے بے تاب ہیں اور صیہونی وجود کو مٹانا چاہتے ہیں، لیکن وہ اس سخت درجہ بندی والے نظام کو توڑنے سے قاصر ہیں جو پوری فوج کو متحرک ہونے سے روکتا ہے۔ انفرادی اقدامات بے سود ہیں، ابتدا ہی سے ناکام قرار دیے جاتے ہیں، اور اکثر سزائے موت پر منتج ہوتے ہیں۔ درحقیقت، پوری عسکری تنظیم اس ناکامی کی ذمہ دار ہے، جس میں سپاہی اور نچلے درجے کے افسر محض ایک مشینری کے پُرزے ہیں، جو فیصلے کرنے کے بجائے صرف احکامات پر عمل کرتے ہیں۔

یہی صورتحال فوجی کمانڈرز اور اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد کے ساتھ بھی ہے، سوائے چند استثنائی حالات کے۔ لیکن، باوجود ان کے عقائدی اور انسانی جذبات سے متاثر ہونے کے، ان کے فیصلے دو رکاوٹوں کا سامنا کرتے ہیں: پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ وہ پیش قدمی نہیں

کرتے کیونکہ وہ ذمہ داری ایک دوسرے پر منتقل کرتے ہیں اور اپنے ذاتی تحفظ کی غرض سے دوسروں کا انتظار کرتے ہیں۔ دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ وہ نامعلوم میں کودنے سے ڈرتے ہیں، یہ سوچتے ہوئے کہ کیا نتیجہ نکلے گا، کیا ضمانتیں ہیں، اور اقدام کے بعد کیا ہو گا۔ وہ ایک مضبوط قوت کے منتظر ہیں، اور نہیں چاہتے کہ ان کی پیش قدمی محض ایک بے سوچی سمجھی اور غیر یقینی عمل ثابت ہو۔

اسلامی افواج ہمیشہ سے خیر کا سرچشمہ رہی ہیں اور جب تک ان کا حفاظتی والو(valve) جو کہ اسلامی عقیدہ ہے، زندہ اور متحرک رہے گا، یہ اسی طرح رہیں گی۔ یہی وہ افواج ہیں جنہوں نے علاقے فتح کئے، قوموں کو حیران کیا، طاقتور سلطنتوں کو گرادیا، سب سے مضبوط فوجوں کو شکست دی، بہترین ہیروز پیدا کیے، اور شاندار فتوحات حاصل کیں۔ آج ان کی مخصوص فوجی خصوصیات کو دو رکاوٹیں روک رہی ہیں: ایک جو ان کے رجحانات کو جکڑتی ہے، موت، ظلم، گھر کا چھن جانا، روزگار کے نقصان اور مراعات کے چھن جانے کا خوف؛ اور دوسری جو ان کی عقل کو باندھتی ہے، اسلام کی مسخ شدہ شکل اور اس کے احکامات و نظام کی صحیح سمجھ بوجھ کی کمی۔

ان رکاوٹوں کو دور کرنا سیاسی ممکنات کے دائرے میں بہت زیادہ ممکن ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے اسلامی عقیدے کو مضبوط کیا جائے، انہیں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تعلق یاد دلایا جائے، آخرت کی یاد دہانی کرائی جائے، جنت کے وعدے سے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، اور جہنم کے خوف سے انہیں ڈرایا جائے۔ انہیں خالص اور بے داغ اسلامی ثقافت فراہم کی جائے اور اسلامی شریعت کا درست فہم دیا جائے۔ ان کے مفاد، رزق، زندگی کے دورانیے، اور خوشی کے تصور کو درست کیا جائے، اور انہیں وہی توانائی دی جائے جو خالد بن ولیدؓ، قعقاع، قُطز، عمر مختار، اور آج کے حماس کے مجاہدین کو متاثر کرتی ہے۔

یہ کام اس سے کہیں زیادہ آسان ہے جو استعماری کفار نے مسلم افواج کے ساتھ کیا۔ تو کیا ہم اس میں ناکام رہیں گے کہ ان کی عسکری ڈاکٹرائن کو ان کے مذہبی عقیدے کے ساتھ ہم آہنگ کر سکیں، جبکہ استعماری کفار تو ان کے عسکری ڈاکٹرائن کو کمزور اور مسخ کرکے اسے ان کے عقائد سے ٹکراؤ میں لانے میں کامیاب ہو گئے؟!

### 3۔ عملی اقدامات:

خلاصہ یہ ہے کہ مسلم فوجی ادارے کو دوبارہ زندہ کرنے اور اس میں نئی روح پھونکنے کے لیے ضروری ہے کہ استعماری فوجی نظریے کے عناصر کو ادارے میں شامل لوگوں کے ذہنوں اور دلوں سے مٹا دیا جائے اور اس کی جگہ اسلامی فوجی نظریہ قائم کیا جائے۔ اس میں مسلم فوج کی فوجی ذہنیت اور رجحانات کو ڈھالنا شامل ہے، اور مسلح افواج کے لیے بنیادی اصولوں کا ایک مجموعہ تیار کرنا ہے جو مختلف جنگی حالات میں ان کی سوچ کی رہنمائی کرے۔ اس میں شامل ہے کہ انہیں کس کے ساتھ اتحاد کرنا چاہیے، کس کے خلاف ہونا چاہیے، کس

کے ساتھ لڑنا چاہیئے، کیسے، کب، کیوں، اور کس حد تک لڑنا چاہیئے۔ اس کا مطلب ہے کہ فوجی ادارے کی ذہنیت، جذبات اور احساسات کو اسلامی عقیدہ کی بنیاد پر استوار کیا جائے، تا کہ اسے اسلامی منصوبے کے ساتھ ہم آہنگ اور متحرک کرنے کے لیے تیار کیا جا سکے۔ اس عظیم کام کا ذریعہ براہ راست عقیدے پر مبنی گفتگو اور عملی اقدامات ہیں۔ فیلڈ کے عملی اقدامات مندرجہ ذیل ہیں:

- **پہلا:** فوجی بیرکوں کے قریب موجود مساجد کو ہدف بنا کر تمام عہدوں کے فوجی افراد کے ساتھ براہ راست رابطے کو بڑھانا، ان میں نیک افراد کا انتخاب کرنا، ان کا حوصلہ بلند کرنا، ان کی عزم کو تیز کرنا اور ان کے عزت کے احساس کو بیدار کرنا۔

- **دوسرا:** ان کے بنیادی مسئلے کو اجاگر کرنا اور اسلامی عقیدہ کو دیگر تمام عقائد سے ممتاز کرنا، اس کی برتری، شرافت، سچائی، عقل سے مطابقت اور انسانی فطرت کے ساتھ ہم آہنگی کو بیان کرنا، جبکہ اس عقیدہ کو کسی بھی آلودگی سے پاک کرنا۔

- **تیسرا:** انہیں حزب التحریر کے اسلامی منصوبے سے متعارف کرانا، انہیں اس پر آمادہ کرنا اور ان کے سامنے وہ اہم کردار واضح کرنا جو ان پر نُصرہ کی حمایت میں عائد کیا گیا ہے، انہیں انصار کے ساتھ تشبیہ دینا اور انہیں سعد بن عبادہؓ کے مقام پر رکھنا۔

- **چوتھا:** انہیں آگاہ کرنا کہ ان کے پیچھے ایک قائم حزب موجود ہے جو ایک عالمی اسلامی منصوبہ رکھتی ہے اور ایک پوری امت ان کے اقدام کی خواہاں ہے، اور ان کے ساتھ کندھا ملانے اور ان کی حمایت کے لیے تیار ہے، تاکہ ان کے دلوں کو اپنی مضبوط بنیاد پر اطمینان حاصل ہو۔

- **پانچواں:** ان کی آنکھیں اور ذہن دشمن کی اُن سازشوں کے متعلق کھولنا جو ان کی امت کے خلاف ہیں، جو ان کے اسلامی منصوبے کو روکنے، ان کی پسماندگی، استحصال اور انحصار کو برقرار رکھنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔

- **چھٹا:** ان میں وفاداری اور انکار کا تصور اس وقت تک داخل کرنا جب تک کہ وہ خالصتاً اللہ جَلَّ جَلَالَہُ کے لیے نہ ہو جائے، تاکہ ان کے اعلیٰ افسران کے احکامات ان کی نظروں میں چھوٹے ہو جائیں، کیونکہ اللہ جَلَّ جَلَالَہُ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔

- **ساتواں:** حوصلہ افزائی اور خوف دونوں کا استعمال کرنا، ان میں جنت اور اس کی ابدی نعمتوں کی خواہش پیدا کرنا اور جہنم اور اس کے دائمی عذاب سے بچنے کی تحریک دینا، جبکہ انہیں شہادت کی طلب پر اُکسانا اور انہیں یاد دلانا کہ وہ ابتدائی صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

• **آٹھواں:** انہیں رزق کے تصور کی وضاحت کرنا، کہ وہ صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے آتا ہے، اور کوئی اس کو دینے، روکنے یا فراہم کرنے کی طاقت نہیں رکھتا سوائے اس کے اذن کے، تاکہ ان کا رزق کھونے کا خوف دور ہو۔

• **نواں:** ان پر اجل کے تصور واضح کرنا، کہ موت کا واحد سبب اللہ کا فیصلہ ہے، اور یہ صرف اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے ہاتھ میں ہے، اور جب وہ وقت آجاتا ہے ﴿فَلَا يَسۡتَـٔۡخِرُونَ سَاعَةٗ وَلَا يَسۡتَقۡدِمُونَ﴾ "جب ان کا وقت آجاتا ہے، وہ نہ ایک لمحے پیچھے ہٹ سکتے ہیں، نہ آگے بڑھ سکتے ہیں" (سورہ الاعراف 7:34)، تاکہ ان کا سزائے موت کا خوف دور ہو۔

• **دسواں:** ان پر خوشی و سعادت کے تصور کو واضح کرنا، کہ وہ ابدی سکون جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ دولت، حیثیت، عہدوں یا عارضی لذتوں سے نہیں ملتا، بلکہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رضا سے حاصل ہوتا ہے، جو صرف اس کے احکامات پر عمل کرنے اور اس کے حرام کردہ امور سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ سب کچھ نُصرہ کے لیے مطلوب افراد پر زیادہ بوجھ ڈالے بغیر، طریقوں، ذرائع، حالات اور صورتِ حال کے محتاط انتخاب کے ساتھ کیا جانا چاہیے، تاکہ ان میں موجود فطری بھلائی کو ابھارا جاسکے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی رضا ہی حتمی مقصد ہے، وہ میرے اور آپ کے لیے کافی ہے، اور وہی جَلَّ جَلَالُہٗ بہترین کارساز ہے۔

فہرست

# سیاسی فہم کے لازمی اصول اور پالیسی سازی (حصہ اول)

لقمان حرزاللہ

## تمہید

سیاست کا مطلب ہے امور کی دیکھ بھال کرنا ہے، اور اسی لیے ہر انسان سیاسی ہوتا ہے؛ کیونکہ ہر انسان اپنی ذات کے امور یا جن کی وہ کفالت کرتا ہے، ان کے امور کی نگہداشت کرتا ہے۔ لیکن جب لفظ "سیاسی" استعمال کیا جاتا ہے تو ذہن اس حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ انسان جو صرف اپنے ذاتی امور کی دیکھ بھال کرتا ہے، اس کا اثر صرف اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے اور اس کی فکر صرف اپنی ضروریات تک محدود رہتی ہے۔ لہذا، لفظ "سیاسی" سن کر ذہن ان لوگوں کی طرف جاتا ہے جو اپنی امت، اپنی ریاست، یا اس سے بھی وسیع دائرے کے امور کی نگرانی کرتے ہیں، کیونکہ وہ سیاستدان ایسے ہوتے ہیں جن کے اثرات ان کی امت، ریاست، یا وسیع تر دائرے تک پھیلے ہوتے ہیں۔

سیاست کو "فن ممکن" کہا گیا ہے، اور یہ وصف ایک رخ سے درست اور ایک رخ سے غلط ہے۔ اگر "ممکن" سے مراد "ناممکن" کا اُلٹ یا "واجب" لیا جائے تو یہ وصف درست ہے، کیونکہ سیاستدان ناممکن کام نہیں کرتے۔ لیکن اگر اس وصف سے مراد یہ ہو کہ سیاستدان حقیقت سے کام لیتا ہے اور ممکنات کو حقیقت کے طور پر قبول کرتا ہے، یعنی وہ محض حقیقت پسند ہے، تو یہ وصف غلط ہے۔ بلکہ ایسے سیاستدان اپنی قوموں کے لیے خطرناک ثابت ہوتے ہیں اگر وہ زمامِ حکومت سنبھالیں؛ کیونکہ ان کی پالیسیاں صرف موجودہ حقیقت سے حاصل ہوتی ہیں، اور ان کی نظریں صرف اس حقیقت تک محدود رہتی ہیں جو موجود ہے۔ اگر موجودہ حقیقت حریفوں نے تشکیل دی ہو تو وہ کبھی اس قید سے باہر نہیں نکل سکیں گے جس میں دشمنوں نے انہیں بند کر رکھا ہے، اور اگر وہ حقیقت خود اُنہی کی تشکیل ہو تو وہ کبھی بھی ترقی نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی اس کے اچھے پہلوؤں کو برقرار رکھ سکیں گے، بلکہ واپس بدتر حالت کی طرف جانا شروع ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس، وہ سیاستدان جنھوں نے اپنی قوموں کو ترقی دی، انہوں نے اپنی قوموں کے موجودہ حالات کی حد سے آگے بڑھ کر ایک نئی حقیقت تخلیق کی، جسے انہوں نے اپنا ہدف بنایا، اور ایسی پالیسیاں بنائیں جنھوں نے انہیں اس مقام تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس سیاستدان کی تصویر کھینچی ہے جو اپنی قوم کے امور کا خیال رکھتا ہے اور بدحال حقیقت میں گرفتار نہیں رہتا؛ وہ وہی ہے جو دعوت کا حامل ہوتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**أَوَ مَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَـٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِي بِهِۦ فِي ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِي ٱلظُّلُمَـٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا**﴾ "**کیا وہ جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی بنائی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا ہے، اس کا مثل ہے جو تاریکیوں میں ہے اور اس سے باہر نہیں نکلتا۔**" (الأنعام: 122)

رسول ﷺ اس کی بہترین مثال ہیں۔ آپ ﷺ ایک ایسی قوم میں بھیجے گئے جو داخلی انتشار میں مبتلا تھی، خون بہاتی، فارسیوں اور رومیوں کے سامنے ذلیل و خوار تھی، لیکن آپ ﷺ نے انھیں اُس ذلت و حقارت کی حالت سے نکال کر ایسی جگہ پر پہنچانے کی دعوت دی جہاں وہ دنیا کے تخت پر جلوہ افروز ہوں۔ اس کا ایک واقعہ وہ ہے جب قریش کے سردار ابو طالب کے پاس آئے اور نبی ﷺ کی شکایت کی۔ ابو طالب نے آپ ﷺ سے دریافت کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: **«يا عمّ، أريدُهم على كلمةٍ واحدةٍ تدينُ لهم العربُ وتؤدِّي العجمُ إليهم الجزيةَ» "اے چچا! میں چاہتا ہوں کہ وہ ایک کلمے پر متحد ہو جائیں جس کی بدولت عرب ان کے تابع ہوں اور غیر عرب ان کو جزیہ دیں۔"** (مسند احمد، ۲۰۰۸)

وہ سیاستدان جو اپنی امت، اپنی ریاست، اور اس سے بھی وسیع امور کی نگہداشت کا خواہاں ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ پالیسیاں ترتیب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ وہ نظریاتی فہم سے عملی اثر پذیری کی طرف گامزن ہو سکے۔ پالیسی سازی کے لیے سیاسی فہم، عالمی تعلقات کی سمجھ اور ایک مخصوص نظریاتی زاویہ ہونا لازمی ہے جس کی عینک سے وہ دنیا کو دیکھے اور اسی بنیاد پر اپنی پالیسیاں تشکیل دے۔

نشاۃ ثانیہ کے لیے کوشش کرنے والے افراد کے لیے سیاسی فہم ایسے ناگزیر ہے جیسے انسان کے لیے ہوا ناگزیر ہے۔ جو شخص امتِ اسلامیہ کی بیداری اور ترقی کا خواہاں ہے، اسے اپنی ذات کو اس نظر سے دیکھنا ہو گا کہ وہ کیا بننا چاہتا ہے۔ درحقیقت وہ چاہتا ہے کہ اپنی امت کے لیے ایک ایسی ریاست قائم کرے جو ایک اصول و مقصد کی حامل ہو، ایسی ریاست جو پہلے ایک عظیم الشان ملک بنے، پھر دنیا کے تخت پر جلوہ گر ہو، تاکہ وہ اس دنیا کی سپر پاور بن جائے اور پھر اس امت کا اقتدار وہاں تک پہنچ جائے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس زمین پر نظارہ کروایا تھا۔ اور جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو، ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اس کے حصول کے اسباب پر محنت کرے، اور ان اسباب میں اس کے شرعی طریقہ کار پر عمل پیرا ہونا شامل ہے جو اس کی ریاست کے قیام کا باعث بنے۔ اسے اپنی ذات اور اپنے گروہ کو اس طرح تیار کرنا ہو گا کہ وہ ریاست جسے وہ قائم کرے، دنیا کے بڑے طاقتور ممالک کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو، پھر انہیں ایسے مٹادے جیسے ریکارڈ کی ایک صفحہ کو مٹادیا جائے۔ اور یہ تب تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک کہ نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کرنے والے کا سیاسی فہم مضبوط بنیادوں پر قائم نہ ہو، تاکہ وہ حقیقی نتائج پیدا کرے۔ صحیح سیاسی فہم کے بغیر پالیسی سازی محض وہم اور خیالی چیز بن جاتی ہے، جو اسے اپنے گھر کی حد سے باہر نکل کر دنیا کی قیادت کرنے سے قاصر رکھتی ہے۔

ایک فرد کا نشاۃ ثانیہ کی کوششوں سے آگے بڑھ کر، دنیا کی قیادت اور دنیا پر اسلام کے ذریعے حکمرانی کرنے تک پہنچنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے متعلق پالیسیاں بہترین انداز میں ترتیب دی جائیں، اور یہ صرف تب ہی ممکن ہے جب سیاسی فہم بہترین ہو، اہداف کا انتخاب عمدہ ہو، ایسے بہترین اعمال کا انتخاب کیا جائے جو ان اہداف تک پہنچانے والے ہوں، اور اعمال کو، اہداف سے اس طرح جوڑا جائے کہ سبب اور مسبب کا تعلق درست ہو۔ اسی لیے یہ لازم ہو گیا ہے کہ ایسے بنیادی اصول وضع کیے جائیں جو ان تمام

لوگوں کے لیے روشن راہیں کھولیں جو اپنے اندر اس میدان میں قدم رکھنے کی صلاحیت محسوس کرتے ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہونی چاہیئے کہ صرف سیاسی فہم کے لیے درکار بنیادی اصولوں کو جاننا ہی اس میدان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، کیونکہ مسلسل مشاہدہ اور عملدرآمد کرنا اس عمارت کا ایک ستون ہے جو مہارت اور قابلیت کو جنم دیتا ہے۔ تعلیم ایک لمحے میں حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے تربیت، صبر، عزم اور قوت ارادہ درکار ہوتی ہے۔ اور جب علم کسی ضرورت کے تحت حاصل کیا جا رہا ہو تو وہ ذہن میں زیادہ پختہ اور دل میں زیادہ مستحکم ہوتا ہے، اور یہ ضرورت اس سیکھنے والے کو ایک فعال اور مؤثر عمل کرنے والا بناتی ہے۔ اس کے برعکس، بغیر کسی مقصد یا ضرورت کے حاصل کی گئی تعلیم ویسی ہوتی ہے جیسے کوئی ریشم بُنتا ہے اور پھر اسے برباد کر دیتا ہے، یا کوئی فصل بوتا ہے مگر اس کی نگہداشت نہیں کرتا، جس کی وجہ سے فصل پیلی ہو جاتی ہے اور آفات اس کو تباہ کر دیتی ہیں۔

یہ مضامین سیاسی فہم و سیاسی تجزیے کی حقیقت، سیاسی شعور کی حقیقت، پالیسی سازی کی حقیقت، اور ان سے متعلق ضروری سیاسی معلومات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان مضامین کا مطالعہ کرنے والے کے لیے یہ بات سمجھنا ضروری ہے کہ صرف انہیں پڑھ لینے سے وہ سیاستدان نہیں بن جائے گا، بلکہ وہ اس وقت سیاستدان بنے گا جب وہ ان مضامین سے فائدہ حاصل کرے، اور پھر مستقل مزاجی سے مطالعہ، فہم، شعور اور اثراندازی کے میدان میں مشغول ہو جائے۔

میں اپنی یہ کوشش، امتِ اسلام کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس بہترین امت کے لیے جو تمام لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے، اور خصوصاً ان داعیانِ حق کے لیے جو سنجیدگی کے ساتھ نشاۃ ثانیہ کے لیے کوشاں ہیں، اور ان میں بالخصوص ان نوخیز نوجوانوں کے لیے جو صحیح سیاسی فہم کی راہ تلاش کر رہے ہیں۔

میں ہر اُس شخص سے جو ان مضامین کو پڑھے، یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ انہیں محض اس لیے اختیار کرے کہ ایک سیاسی تجزیہ نگار بن جائے؛ کیونکہ اس سے اس کی زندگی میں کوئی حقیقی اثر پیدا نہیں ہو گا، اور لوگ بھی محض تجسس کے طور پر ہی اس سے رجوع کریں گے۔ بلکہ میں ہر قاری سے یہ امید رکھتا ہوں کہ وہ ان مضامین کو امت میں فکری سطح بلند کرنے کا ذریعہ بنائے، اور انہیں رہنمائی کا ایک وسیلہ سمجھے، جس کے ذریعے وہ سیاسی حالات کو درست طور پر سمجھ سکے، ان پر اسلامی عقیدے کی بنیاد سے نگاہ ڈالے، اور لوگوں کے امور کی دیکھ بھال اسی روشنی میں کرے۔ اور اللہ ہی ہے جو راہِ راست کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

## سیاسی تجزیہ

سیاسی تجزیہ ہر اُس شخص کے لیے ضروری ہے جو سیاسی حقیقت کو سمجھنا اور اس سے سلجھانا چاہتا ہے، اور یہ پالیسی سازوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ لہٰذا، امت کو آگے بڑھانے کے لیے کام کرنے والے ڈھانچے کے لیے سیاسی تجزیہ نہایت اہم ہے اور ریاست کے لیے بھی لازمی ہے۔ درست سیاسی تجزیہ اس ڈھانچے کو، ریاست کو اور امت کو اُن خطرات سے محفوظ رکھتا ہے جو اُن کے گرد موجود

ہوتے ہیں، اور اُنہیں ایسی پالیسیاں اختیار کرنے کے قابل بناتا ہے جو نقصان کو دور کریں، دشمنوں کی چالوں کو ناکام بنائیں، یا اپنے مقاصد حاصل کرنے میں مدد دیں۔

سیاسی تجزیہ اُبھرتے ہوئے سیاسی واقعات کے بارے میں سیاسی رائے پیدا کرنے کا نام ہے۔ یہ سیاسی معلومات اور سیاق و سباق کے مطابق روابط پر مبنی ہوتا ہے۔ سیاسی تجزیہ سیاسی حقیقت کو سمجھنے کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ محض ذہن کو آزاد چھوڑ دینے سے کہ وہ کسی خبر یا واقعے سے متعلق ہر ممکن تصور گھڑ لے۔ اگر ذہن کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو یہ سیاسی تجزیے کے دائرے سے نکل کر تخیل، قیاس آرائی اور منطقی کھوج کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ طریقہ درست نتائج تک نہیں پہنچاتا۔ دوسری طرف، اگر سمجھ کو درست سیاسی تصورات کے ساتھ جوڑا جائے تو یہ درست نتائج تک پہنچاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیاست، سیاست دانوں کے عمل کا نام ہے، اور یہ اُن کے ممالک کے تصورات اور رجحانات، اور اُن فطرتوں پر مبنی ہوتی ہے جو اُن میں اپنی تاریخ کے دوران راسخ ہو چکی ہوتی ہیں۔ چنانچہ سیاست دانوں کی حقیقت، اُن کے ممالک کے تصورات اور رجحانات کی نوعیت، موجودہ واقعے کی نوعیت کو سمجھنا، اور اُنہیں درست سیاسی تصورات کی بنیاد پر صحیح طور پر جوڑنا، سمجھ کہلاتا ہے، نہ کہ قیاس آرائی یا تخیل۔ بلکہ یہ ایک واضح فریم ورک کے اندر اس کے چھوٹے چھوٹے اجزاء کو جمع کر کے ایک مکمل تصویر بنانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا، اگر کچھ چھوٹے اجزاء موجود نہ ہوں تو اُن کی نوعیت کو تصویر کے قریبی حصوں کا جائزہ لے کر معلوم کیا جا سکتا ہے، یوں ذہن میں مکمل تصویر بنائی جاتی ہے۔ یہی سیاسی تجزیہ ہے۔

سیاسی تجزیہ اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے تین عناصر موجود نہ ہوں: **سیاسی معلومات، مسلسل سیاسی خبروں سے باخبر رہنا، اور سیاسی خبروں کا حسنِ انتخاب**۔ حزب التحریر نے اس موضوع کی تفصیل ایک نشریہ میں 27 مارچ 1974 کو بعنوان: "سیاست اور بین الاقوامی سیاست" کے تحت بیان کی۔ اس میں ذکر کیا گیا کہ سیاسی معلومات "تاریخی معلومات ہوتی ہیں، بالخصوص تاریخ کی حقائق پر مبنی معلومات"؛ نیز ان واقعات، رویّوں، اور افراد سے متعلق معلومات جو سیاسی زاویے سے تعلق رکھتے ہوں؛ اور ایسی معلومات جو سیاسی تعلقات سے متعلق ہوں، چاہے وہ افراد کے درمیان ہوں، یا ریاستوں کے مابین، یا افکار کے درمیان۔ یہی معلومات دراصل سیاسی فکر کے مفہوم کو واضح کرتی ہیں، چاہے وہ کوئی خبر ہو، یا عمل، یا کوئی اصول، خواہ وہ عقیدہ ہو یا حکم۔ ان معلومات کے بغیر انسان سیاسی فکر کو سمجھ ہی نہیں سکتا، چاہے وہ کتنا ہی ذہین اور عبقری کیوں نہ ہو؛ کیونکہ یہ معاملہ عقل کا نہیں بلکہ فہم کا ہے۔

جہاں تک حالیہ سیاسی خبروں سے باخبر رہنے کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھی معلومات ہی ہیں، اور یہ ایسے واقعات سے متعلق خبریں ہیں جو رونما ہو رہے ہیں، اور یہی خبریں فہم اور تحقیق کا میدان ہوتی ہیں؛ اس لیے ان سے آگاہی لازمی ہے۔ چونکہ زندگی کے واقعات یقینی طور پر بدلتے رہتے ہیں، نیا رنگ اختیار کرتے ہیں، مختلف ہوتے ہیں، اور بعض اوقات متضاد بھی، اس لیے ان کا مسلسل

پیچھا ضروری ہے تاکہ انسان ان سے باخبر رہے۔ یعنی یوں سمجھیں کہ جیسے وہ انسان ریلوے اسٹیشن پر کھڑا ہے جہاں سے ٹرین واقعی گزر رہی ہو، نہ کہ کسی ایسے اسٹیشن پر جہاں سے ٹرین اب نہیں گزرتی، بلکہ ایک گھنٹہ پہلے گزری تھی اور اب اپنا راستہ بدل چکی ہے۔ لہٰذا مسلسل اور مربوط انداز میں خبروں کا تعاقب کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی خبر چھوٹ نہ جائے، چاہے وہ اہم ہو یا غیر اہم۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ ایک دانہ گندم کی خاطر بھوسے کے ڈھیر میں کھوج کرے، حالانکہ ممکن ہے کہ وہ دانہ اسے نہ ملے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اہم خبر کب آئے گی اور کب نہیں آئے گی۔ اسی لیے ضروری ہے کہ وہ تمام خبروں کا مسلسل تعاقب کرتا رہے، چاہے وہ اس کے لیے اہم ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ یہ سب خبریں ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں جو آپس میں جُڑی ہوئی ہیں، اور اگر ایک کڑی ضائع ہو جائے تو پوری زنجیر بکھر جاتی ہے، اور معاملے کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ معاملے کو غلط سمجھے، اور موجودہ صورت حال کو کسی ایسی خبر یا فکر سے جوڑ بیٹھے جو ختم ہو چکی ہو اور اب موجود نہ ہو۔ اسی لیے خبروں کا مسلسل پیچھا ضروری ہے تاکہ سیاسیات کو سمجھا جا سکے۔

جہاں تک خبروں کے انتخاب کا تعلق ہے، تو وہ محض سننے سے نہیں بلکہ اُن کو اختیار کرنے سے ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان صرف اُسی خبر کو اختیار کرتا ہے جو واقعی اہم ہو۔ اگر وہ سنے کہ فرانس کا وزیر اعظم لندن گیا ہے، تو وہ یہ خبر سنتا بھی ہے اور اسے اختیار بھی کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ سنے کہ جرمنی کا مشیر اعلیٰ برلن گیا ہے، یا واشنگٹن گیا ہے، یا اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل سے ملاقات کی ہے، تو وہ ان خبروں کو صرف سنتا ہے، اختیار نہیں کرتا۔ کیونکہ ضروری ہے کہ وہ ان خبروں میں فرق کرے جنہیں اختیار کرنا ہے اور جنہیں صرف سننا ہے۔ کیونکہ اختیار صرف اُن خبروں کو کیا جاتا ہے جن کے اختیار کرنے میں فائدہ ہو، نہ کہ ان خبروں کا جو محض معلومات فراہم کرتی ہوں۔ یہی وہ پیچھا ہے جو اختیار کے لیے کیا جاتا ہے، نہ کہ محض سُننے کے لیے۔

خبریں معتبر اخبارات اور باوقار چینلز سے لی جاتی ہیں، اس بنیاد پر کہ یہ ادارے اپنی ساکھ اور اعتبار کو عوام کے سامنے —بالخصوص سیاسی حلقوں میں— قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنی خبریں حاصل کرتے ہیں یا مضامین لکھتے ہیں، تو وہ اُن افراد سے رابطے میں رہتے ہیں جو ان واقعات کے مرکز میں ہوتے ہیں اور براہِ راست ان میں شامل ہوتے ہیں، اور معلومات انہی کے ذرائع سے حاصل کرتے ہیں۔ اس کے باوجود خبروں کی سچائی کو بلا چون وچرا تسلیم کرنا درست نہیں، کیونکہ جو سیاستدان ان واقعات کے مرکزی کردار ہوتے ہیں، وہ اکثر اپنے مقاصد کے حق میں گمراہ کن خبریں پھیلاتے ہیں، یا اپنے اہداف کو چھپانے کے لیے، یا اپنے دشمنوں کو موقع سے محروم رکھنے کے لیے دانستہ طور پر جھوٹ بولتے ہیں۔ لہٰذا خبروں کا تعاقب کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ اقوال و افعال، اور وہ مواقع جن میں یہ اقوال کہے گئے ہوں، ان سب کا تعاقب کرے؛ کہنے والے اور عمل کرنے والے کو پہچانے، اور جو مفاہیم اس کے پاس موجود ہیں ان سے ربط قائم کرے، تاکہ خبر کی حقیقت ذہن میں ثبت ہو جائے، چاہے وہ صحیح ہو یا گمراہ کن۔

خبریں خود سیاستدانوں کی زبان سے بھی لی جاتی ہیں—چاہے وہ سربراہانِ مملکت ہوں، وزرائے خارجہ ہوں، اپنے ممالک کے ترجمان ہوں، یا قومی سلامتی کے شعبے میں کام کرنے والے ہوں... خبروں کے تعاقب کرنے والے کو چاہیے کہ ان افراد کی حقیقت

پر بھی نظر رکھے، یا اُن افراد پر جو اپنی حکومتوں کی جانب سے سیاسی، عسکری، یا انٹیلیجنس سے متعلقہ فرائض سرانجام دے رہے ہوں۔ اان کی سوانح عمری سے آگاہی ضروری ہے، تاکہ وہ تصویر کے مکمل خدوخال سے کسی عنصر کو کھو نہ دے۔

اگرچہ سیاسی تجزیہ بذاتِ خود ایک اہم چیز ہے، لیکن یہ بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ ایک وسیلہ ہے کسی بڑے مقصد کے لیے۔ اسی لیے جو لوگ احیائے امت یا ریاست کے امور میں مصروف ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ سیاسی تجزیے کو اپنے کام میں استعمال کریں اور اسے اپنا مزاج بنائیں، کیونکہ یہ ان کے کام کے لیے بے حد مفید ہے۔ ہر وہ شخص جو اپنی امت کی بیداری کے لیے کام کر رہا ہو، اسے چاہیے کہ وہ اپنی جماعت کو اس تبدیلی کا قائد سمجھے جو عالمی سطح پر آئے گی، اور اپنی امت کو اس امت کے طور پر دیکھے جس کی حکومت اس زمین کے اس حصے تک پہنچے گی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے سمیٹی تھی، اور اپنی ریاست کو ایسی ریاست سمجھت جو دنیا میں سب سے اولین ریاست بنے گی، اور پھر واحد سپر پاور ریاست بن جائے گی۔

...جاری ہے

[فہرست]

# کیا ہم ایک تاریخی دور کے اختتام پر کھڑے ہیں یا یہ ایک طویل انہدام کا آغاز ہے؟

استاد نبیل عبدالکریم

عظیم تاریخی انقلابات کبھی بھی کسی سرکاری اعلامیے یا کسی ایک فیصلہ کن لمحے کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتے، بلکہ یہ اکثر ایسے بحرانوں کے تسلسل کے ذریعے سامنے آتے ہیں جنہیں حل کرنے کے بجائے صرف "مینج" کیا جاتا ہے، اور سمجھنے کے بجائے صرف دبانے یا قابو میں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اور جب مہنگائی (افراطِ زر) کا طوفان ملکوں کے ذمے واجب الادا قرضوں کے دباؤ کے ساتھ مل جائے، اور معاشی خسارے کے ساتھ ساتھ سیاسی جمود اور سماجی انتشار پیدا ہو جائے، تو اس وقت دنیا جس صورتحال کا سامنا کر رہی ہوتی ہے وہ عام معاشی اتار چڑھاؤ کی منطق سے کہیں آگے کی چیز ہوتی ہے، اور خود بین الاقوامی نظام کی بنیادوں کے کھوکھلے ہونے کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے۔

آج فیصلہ سازی کے مراکز، منڈیوں اور جیوپولیٹیکل تنازعات سے ملنے والے اشارے کسی اصلاحی مرحلے کی طرف اشارہ نہیں کر رہے، بلکہ ایک ایسے نظام سے جو توازن برقرار رکھنے کی (کم از کم نسبتی حد تک) صلاحیت رکھتا تھا، ایک ایسی حقیقت کی طرف منتقلی کا اشارہ کر رہے ہیں جہاں منصوبہ بندی کے بجائے "بحران کے انتظام" کو ترجیح دی جا رہی ہے، جہاں اصول و قوانین کی جگہ استثنائی صورتوں نے لے لی ہے، اور اداروں کے بجائے ہنگامی ردِ عمل پر انحصار کیا جا رہا ہے۔ اس تناظر میں استحکام کی باتیں کرنا ایک طرح کا فریب ہے، اور زوال یا انہدام ایک اچانک رونما ہونے والا واقعہ نہیں بلکہ دبے پاؤں آنے والا خدشہ بن جاتا ہے۔

اسی لیے موجودہ حالات کی نوعیت کے بارے میں یہ سوال مایوسی کے تحت نہیں، بلکہ ایک ضروری سیاسی انتباہ اور انسانیت کے وقار کے مطابق ایک نئی صبح کی امید اور دور اندیشی کے طور پر اٹھایا گیا ہے۔

کیا دنیا ایک ایسے تاریخی دور کے خاتمے کا مشاہدہ کر رہی ہے جس نے اپنے تمام وسائل اور قانونی جواز کھو دیے ہیں، یا وہ واقعی ایک طویل انہدام کے راستے پر چل پڑی ہے جس کی قیمت کا تعین اس میں شامل کھلاڑیوں کی اعلان کردہ نیتوں سے نہیں بلکہ اس زوال کی گہرائی کو سمجھنے کی ان کی صلاحیت سے ہو گا؟ اس سوال کو نظر انداز کرنے سے جواب موخر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جواب بعد میں زیادہ تلخ حقائق کی صورت میں زبردستی مسلط ہوتا ہے جسے قابو کرنا مزید مشکل ہو جاتا ہے۔

ہم جس زمانے میں جی رہے ہیں اسے ایک تاریخی دور کے اختتام کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جو کہ محض سیاسی یا معاشی کارکردگی کا کوئی عارضی بحران نہیں ہے، بلکہ ایک ایسے ماڈل کے مکمل اختتام کا اظہار ہے جس نے دہائیوں تک دنیا پر راج کیا ہے۔ کیونکہ نظام صرف فوجی شکست سے ہی نہیں گرا کرتے، بلکہ وہ تب بھی گر جاتے ہیں جب وہ اس حقیقت کی وضاحت کرنے سے قاصر ہو جائیں جو انہوں نے خود پیدا کی ہے، یا جب وہ ان بحرانوں کا خاطر خواہ حل پیش نہ کر سکیں جو ان کے وجود کا بنیادی حصہ بن چکے ہوں۔

اس دور کے خاتمے کی سب سے نمایاں علامتوں میں سے ایک اس لبرل عالمی نظام کے جواز کا ختم ہونا ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد قائم ہوا تھا۔ اس نظام سے، جو اقوام متحدہ، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے اداروں پر مبنی ہے، یہ توقع تھی کہ وہ تنازعات اور ترقی کے انتظام کے لیے منصفانہ طریقہ کار فراہم کرے گا۔ مگر حالیہ دہائیوں نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ عالمی نظم و نسق کے ایک فریم ورک سے تبدیل ہوتا ہوا اب یہ طاقت کے توازن کے مطابق چلنے والا ایک آلہ بن گیا ہے۔ جہاں اصولوں کا اطلاق صرف کمزوروں پر ہوتا ہے اور بڑی طاقتوں کے مفادات سے ٹکرانے کی صورت میں ان اصولوں کو معطل کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ جنگیں جو کسی بین الاقوامی مینڈیٹ کے بغیر شروع ہوئیں، اور وہ پابندیاں جو کسی قانونی تقاضے کے بغیر عائد کی گئیں، اس بات کا اظہار ہے کہ یہ نظام اب اپنا جواز کھو چکا، بلکہ جو کچھ بچا کھچا جواز رہ گیا ہے اسے بھی تیزی سے ختم کر رہا ہے۔ سیاسی طور پر، اس دور کا خاتمہ خود قومی ریاست (Nation State) کے بحران کی صورت میں نظر آتا ہے۔ وہ ریاست جسے استحکام اور سماجی انصاف کی ضامن کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، اب اپنے شہریوں کو اندرونی ٹوٹ پھوٹ، عالمی منڈیوں کے اتار چڑھاؤ، یا یہاں تک کہ اپنی سرحدوں سے باہر لیے گئے فیصلوں سے بچانے میں بھی بے بس ہو چکی ہے۔

آج بڑی طاقتیں بھی خود کو عالمی سپلائی چینز یا ایسی مالیاتی منڈیوں کا یرغمال سمجھتی ہیں جو انہیں چند ہی دنوں میں سزا دینے کی طاقت رکھتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی خودمختاری اب سماجی ذمہ داری کے ساتھ میل نہیں کھا رہی، اور یہ اصول حکمرانی میں ایک خطرناک بگاڑ ہے۔

بڑی طاقتوں کی سطح پر، کشمکش کا، ایک منظم مسابقت سے نکل کر اصولوں پر کھلی محاذ آرائی میں تبدیل ہونا اس دور کے خاتمے کی ایک اضافی علامت ہے۔ مثال کے طور پر، امریکہ اور چین کے درمیان کشمکش اب صرف تجارتی یا تکنیکی اثر و رسوخ تک محدود نہیں رہی، بلکہ اب یہ خود اُن قواعد کی تعریف کے گرد گھوم رہی ہے کہ: انہیں کون وضع کرے گا؟ اور انہیں توڑنے کا حق کس کے پاس ہے؟ اس

نوعیت کی کشمکش کسی مستحکم نظام کا خاصہ نہیں ہوتی، بلکہ یہ ایک ایسے عبوری مرحلے کی نشان دہی کرتی ہے جس میں نئے توازن کے خدوخال ابھی واضح نہیں ہوئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ طویل مدتی معاشی استحکام سے وابستہ وہم کا خاتمہ بھی شامل ہے۔ کیونکہ وہ ماڈل جو قرضوں، زر کی مقدار میں اضافے (کرنسی پھیلانے) اور مالیاتی ہتھکنڈوں کے ذریعے بحرانوں کو مؤخر کرنے پر مبنی تھا، اب اپنی آخری حدود کو چھو چکا ہے۔ آج مہنگائی (افراطِ زر) ماضی کی طرح کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہے، بلکہ یہ بحرانوں کا بوجھ معاشروں پر منتقل کرنے کا ایک غیر اعلانیہ سیاسی حربہ بن چکا ہے۔ اور جب مانیٹری (زری) پالیسیاں معاشی انصاف کے حصول کے بجائے عوامی غصے کو قابو کرنے کا ذریعہ بن جائیں، تو یہ کسی تکنیکی نہیں بلکہ ایک تاریخی بند گلی یا سنگین بحران کی علامت ہے۔

اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ یہ تبدیلیاں ایک ایسے وقت میں رونما ہو رہی ہیں جب سیاسی اشرافیہ مستقبل کے بارے میں کوئی بھی قائل کرنے والا بیانیہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ماضی کے عروج کے ادوار میں، اشرافیہ ترقی، خوشحالی یا امن کے وعدے کرنے کی پوزیشن میں ہوتی تھی۔ لیکن آج زیادہ تر سیاسی گفتگو نقصانات کے انتظام، صبر کی تلقین اور بدترین حالات سے ڈرانے کے گرد گھومتی ہے۔ اور جب اشرافیہ وعدے کرنے سے عاجز آ جائے اور صرف خوف دلانے پر اکتفا کرے، تو وہ درحقیقت اس بات کا اعتراف کر رہی ہوتی ہے کہ جس مرحلے کی وہ نمائندگی کرتی ہے، وہ اپنے خاتمے کے قریب ہے۔

لہٰذا، ہم جس مرحلے سے گزر رہے ہیں اسے ایک تاریخی دور کا اختتام قرار دینا مایوسی پر مبنی نہیں، بلکہ یہ اس فرسودہ ڈھانچے (Structural Erosion) کے ایک طویل سفر کا سیاسی مطالعہ ہے۔ ہم ایک ایسے نظام کے سامنے کھڑے ہیں جو اب انہی پرانے قواعد کے تحت خود کو دوبارہ غالب کرنے سے قاصر ہے، اور جو جبری یا غیر معمولی ہتھکنڈوں کے بغیر اپنے تضادات کو سنبھالنے کی سکت کھو چکا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو ادوار کے اختتام کی پہچان ہے: یہ کوئی اچانک یا زوردار دھماکے سے گرنے کا واقع نہیں ہوتا، بلکہ یہ اسی پرانے طریقے سے جاری رہنے کی صلاحیت کے چھن جانے کا نام ہے۔

طویل المیعاد انہدام وہ شکل ہے جو یہ اختتامی مراحل اس وقت اختیار کرتے ہیں جب غالب قوتیں اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں یا اس تبدیلی کے عمل کو سنبھالنے میں ناکام رہیں۔ جدید دور میں انہدام کسی ایک ہمہ گیر گراوٹ کی صورت میں نہیں آتا، بلکہ یہ

بتدریج ہونے والی بوسیدگی کے ایک طویل سلسلے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جہاں ڈھانچے ظاہری طور پر تو کام کرتے رہتے ہیں لیکن وہ پیداوار، نظم وضبط اور جواز کی اپنی حقیقی صلاحیت کھو چکے ہوتے ہیں۔

**اس طویل انہدام کی کیفیت کی کئی علامات ہیں:**

**پہلی علامت:** استثنائی صورتوں کا مستقل قواعد میں بدل جانا ہے، اور پے درپے آنے والے بحرانوں کو کسی حتمی حل کی امید کے بغیر ہی چلایا جانا۔ اس صورتحال میں مہنگائی ایک نئی حقیقت بن جاتی ہے، قرضے ناگزیر ضرورت، اور جنگیں محض "خطرات کے انتظام" کا نام پاتی ہیں۔ اس تناظر میں، بگاڑ کو ایسی خرابی کے طور پر نہیں دیکھا جاتا جسے درست کرنا ضروری ہو، بلکہ اسے ایک ایسی دائمی الجھن سمجھ لیا جاتا ہے جسے جھیلنا لازم ہو۔ یہ نظام کے انہدام کے خطرناک ترین مراحل ہوتے ہیں کیونکہ یہ سیاست کو اس کے تعمیری اور اصلاحی مقصد سے محروم کر دیتے ہیں اور اسے محض نقصانات کو سنبھالنے تک محدود کر دیتے ہیں۔

**دوسری علامت:** حقیقی سیاسی مفہوم کا خاتمہ۔ چنانچہ جمہوریت کسی سماجی جوہر کے بغیر محض ایک ضابطہ بن کر رہ گئی ہے، خود مختاری بغیر کسی عملی قوت کے محض ایک بیانیہ بن گئی ہے، اور ترقی صرف ایسے اعداد و شمار کا نام رہ گئی ہے جن کا لوگوں کی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جب معانی ختم ہو جائیں تو عوامی غصہ بڑھنے لگتا ہے، یہ غصہ کسی متبادل منصوبے کے طور پر نہیں بلکہ موجودہ نظام کے خلاف ایک مبہم نفرت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہاں سے پاپولزم (عوامی مقبولیت پسندی) جنم لیتی ہے، جو کسی حل کے طور پر نہیں بلکہ اشرافیہ اور اداروں پر اعتماد کے خاتمے کے ایک ضمنی نتیجے کے طور پر ابھرتی ہے۔

**تیسری علامت:** معیشت کی عسکری کاری اور منڈیوں کی سیاست زدگی۔ آج جنگیں صرف دوسرے ذرائع سے سیاست کا تسلسل نہیں رہیں، بلکہ اب خود منڈیاں ہی میدانِ جنگ بن چکی ہیں: پابندیاں، کرنسیوں کی جنگیں، سیاست زدہ سپلائی چینز، اور ٹیکنالوجی کا بطور ہتھیار استعمال۔ معیشت اور سیکیورٹی کا یہ باہمی ملاپ اس مرحلے کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں عالمی نظام "تقسیم کرو اور کنٹرول کرو" کا طریقہ کار کھو چکا ہے، اور اب یہ کشمکش ہمہ گیر ہو چکی ہے، لیکن یہ فیصلہ کن ہونے کے بجائے کم شدت والی اور طویل المدتی ہو گئی ہے۔

تاہم تاریخ بغیر کسی رکاوٹ کے کھلے انہدام کی طرف نہیں بڑھتی۔ طویل المیعاد انہدام ہمیشہ ایک نئے مبداء (Ideology) کی ضرورت پیدا کرتا ہے جو تعلقات کو نئے سرے سے منظم کرسکے، چاہے وہ لازمی طور پر زیادہ منصفانہ نہ ہو۔ یہاں سوال یہ نہیں ہے کہ: کیا کوئی نیا مبداء سامنے آئے گا؟ بلکہ یہ ہے کہ: وہ مبداء کیا ہوگا؟ اور کس کے ہاتھوں آئے گا؟

**یہاں ہمارے سامنے تین امکانات ہیں:**

**پہلا امکان:** ایک سخت کثیر القطبی نظام کا ظہور ہو جو کسی ایک طاقت کے غلبے پر نہیں، بلکہ بڑی علاقائی طاقتوں کے توازنِ قوت پر مبنی ہو۔ اس صورت میں بین الاقوامی تعلقات عالمی اقدار کے بجائے باہمی مفادات اور کم از کم استحکام کی بنیاد پر چلائے جاتے ہیں۔ یہ امکان مکمل افراتفری کو تو روک سکتا ہے، لیکن یہ اپنے اندر اثر و رسوخ کے علاقوں کو مخصوص کرنے اور کئی منجمد تنازعات کے خطرات رکھتا ہے، اور دنیا کو بغیر کسی بڑے تنازع کے مستقل تناؤ کی حالت میں رکھتا ہے۔

**دوسرا امکان:** بے لگام عالمگیریت (گلوبلائزیشن) کی جگہ معاشی خود مختاری کے اصول کا ابھرنا۔ یعنی ریاستوں کا اپنی پیداوار، خوراک اور توانائی کے تحفظ کی طرف لوٹنا، اور عالمی منڈیوں پر اپنے انحصار کو کم کرنا۔ یہ امکان ریاستوں کا اندرونی توازن تو بحال کرسکتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ ایک متحدہ عالمی منڈی کے مفروضے کو ختم کر دیتا ہے، اور وسائل پر شدید مقابلے کے دروازے کھول دیتا ہے جب تک کہ اسے نئے تعاون پر مبنی فریم ورک کے تحت منظم نہ کیا جائے۔

درحقیقت، پہلا اور دوسرا امکان اسی صورتحال سے مشابہت رکھتے ہیں جس میں ہم جی رہے ہیں، اور یہ دونوں سرمایہ دارانہ نظام کو نئی شکلوں میں دوبارہ پیش کرنے کی ایک کوشش ہوسکتے ہیں۔

**تیسرا امکان:** ایک متبادل انسانی ترقیاتی آئیڈیالوجی کا ظہور ہو جو معیشت کو صرف اعداد و شمار کے بجائے دوبارہ انسانیت سے جوڑ دے۔ مروجہ ماڈلز کی تباہی کے میدان میں صرف اسلامی آئیڈیالوجی ہی ابھرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، لیکن اس کے لیے ایک بنیادی شرط ہے: کہ اسے محض ایک علامتی نعرے یا کشمکش کے ہتھیار کے طور پر نہیں بلکہ طرزِ زندگی، طرزِ حکمرانی اور عدل کے نظام کے طور پر اپنایا اور نافذ کیا جائے۔ یہاں میں اسے خاص طور پر موجودہ عالمی نظام کی بڑی ناکامیوں کے تناظر میں زیرِ بحث لاؤں گا۔

اسلامی آئیڈیالوجی معیشت کو زندگی کے بارے میں بنیادی نقطہ نظر سے الگ نہیں کرتی، بلکہ اسے ایسے شرعی احکام کے تحت منظم کرتی ہے جو انسان اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا لحاظ رکھتے ہیں، اور دولت کو جمع کرنے کے اندھے قانون پر نہیں چھوڑتے۔ یہ نظام سود، ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ داری کے ان تمام ہتھکنڈوں کو حرام قرار دیتا ہے جنہوں نے آج ریاستوں اور معاشروں کا دم گھونٹ رکھا ہے، اور یہ طبقاتی فرق کو کم کرنے اور غربت کو اس کی جڑوں سے ختم کرنے کے لیے کام کرتا ہے۔

اپنے سیاسی جوہر میں، یہ نظام کسی ایسی حکمرانی کی بنیاد نہیں رکھتا جو آمریت یا عوامی افراتفری (پاپولزم) کو قبول کرے، بلکہ یہ حاکم کی جوابدہی، انصاف کی مرکزیت اور مفادِ عامہ کی ترجیح کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی آج دنیا میں کمی ہے۔ علاوہ ازیں، یہ ایک ربانی نظام ہے جسے ربِ کائنات نے بنیادی طور پر انسانیت کی فلاح و سعادت کے لیے وضع کیا ہے۔ اسی لیے اسلامی آئیڈیالوجی ہی جدید دنیا کے بحران کا سب سے بہتر حل ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ دنیا اس وقت نہ تو کسی حتمی تباہی کی حالت میں ہے اور نہ ہی کسی واضح اور قریبی نجات کی دہلیز پر کھڑی ہے، بلکہ یہ ایک ایسے تاریخی خلا کے دور سے گزر رہی ہے جس میں زوال کی رفتار متبادل کے بننے کی رفتار سے کہیں زیادہ تیز ہے۔ ایسے لمحات میں بحران نظریات کی کمی کا نہیں ہوتا، بلکہ ان لوگوں کی کمی کا ہوتا ہے جو نظریات کو ایک عملی منصوبے میں، اقدار کو اداروں میں، اور انصاف کو زندگی کے عملی نمونے میں بدلنے کی جرات رکھتے ہوں۔

اسلامی آئیڈیالوجی، اپنی تمام سطحوں پر اس نادر توازن کے ساتھ، آج صرف دنیا کے سوالوں کا کوئی بنا بنایا جواب پیش نہیں کر رہی، بلکہ ایک ایسا تہذیبی افق دکھا رہی ہے جو ابھی موخر ہے اور اپنے تاریخی حالات کا منتظر ہے۔ محض نظریے کا درست ہونا کافی نہیں ہوتا، اور نہ ہی مجرد انصاف خود بخود نافذ ہو جاتا ہے جب تک کہ اسے کوئی ایسا عملی نمونہ نہ ملے جو اس دور کی پیچیدگیوں اور عالمی طاقتوں کے دباؤ کے سامنے ڈٹ کے کھڑا ہو سکے۔

یہاں حزب التحریر اپنے منصوبے اور اس منصوبے پر عمل درآمد کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ڈھانچے کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ ہم بلادِ اسلام پر مسلط اس کفر کے ماحول میں ہر مسلمان کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اس عظیم جماعت کے ساتھ مل کر اپنی جدوجہد تیز کریں، جس نے اپنی روشن فکر اور انتھک محنت سے ریاستِ اسلام (خلافت) کے قیام کے لیے ہر چیز تیار کر لی ہے۔ یہ جماعت امت کے فرزندوں کا ہاتھ تھام کر انہیں اس قابل بنا رہی ہے کہ وہ اپنے اصل مقصد یعنی "اسلامی زندگی کے از سرِ نو آغاز" کو اپنا ایک ناگزیر اور

زندگی وموت کا مسئلہ بنالیں، اور اس کے لیے فیصلہ کن جدوجہد کریں۔ تاکہ وہ دارالاسلام قائم کریں، مسلم ممالک کو متحد کریں، اور ایک امت اور ایک خلیفہ کے تصور کے ساتھ آگے بڑھیں۔ اور وہ سچے ایمان، بصیرت اور شعور کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کے اس قول کو دہرائیں: **« يَا عَمّ، وَاَللّهِ لَوْ وَضَعُوا الشّمْسَ فِي يَمِينِي، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتّى يُظْهِرَهُ اللّهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ»** "اے چچا! اللہ کی قسم، اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، تو میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں" (سیرت ابنِ ھشام)

فہرست

# تبدیلی کو یقینی بنانے کے لیے نظام کو جڑ سے اکھاڑنا

استاد عصام الشیخ غانم

خوشنما اصطلاحات سے قطع نظر، حکومت، اقتدار اور ریاست بنیادی طور پر ایسی غالب اور بے مثال قوت کی متقاضی ہوتی ہے جس کا کوئی مدمقابل نہ ہو، تاکہ حکمران اپنے احکامات کو نافذ کر سکے۔ کسی بھی قوم میں حکومت اس وقت مستحکم ہوتی ہے جب وہ قوم خود اس کی حقیقی محافظ ہو، اور حکومت کے استحکام میں کمی کا تناسب اسی قدر ہوتا ہے جس قدر وہ قوم کے افکار اور مقاصد سے منحرف ہوتی ہے۔ ہمارے ممالک میں 1924 کے بعد سے اقتدار اور کتاب (قرآن) ایک دوسرے سے مکمل طور پر جدا ہو چکے ہیں، یعنی کتاب ایک وادی میں ہے اور اقتدار دوسری وادی میں، بلکہ یہ کتاب کے بالکل مخالف اور اس کا دشمن ہے؛ یہی وہ حقیقت ہے جسے حکمران چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس سچائی کو چھپانا مشکل ہے جو بہت سے اہم واقعات کے دوران کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اقتدار یا حکومت، خواہ اس کی قسم کوئی بھی ہو، در حقیقت لوگوں کے ایک ایسے گروہ کی نمائندگی کرتی ہے جو ایک مخصوص نظریے اور متعین سیاسی رجحانات پر اکٹھے ہوئے ہوں، اور ان کا یہ گروہ ایک ایسے طریقے سے منظم ہوا ہو کہ وہ "صاحبِ اقتدار" بن جائے، یعنی وہ رہنما، سپہ سالار اور باوزن و بااثر شخصیات بن جاتے ہیں۔ جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں، تو ان کا اقتدار ہی وہ طریقہ بن جاتا ہے جس سے ان کا اجتماع اور گروہ منظم رہتا ہے، اور وہ اُمت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے اس کی شاخیں پھیلاتا چلا جاتا ہے تاکہ اقتدار پر اپنی گرفت کو مکمل اور یقینی بنا سکے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قوم کی قیادت اور رہنمائی میں کوئی اس کا مدمقابل نہ ہو اور نہ ہی کوئی اس کے اقتدار میں خلل ڈال سکے، اس امید پر کہ وہ قوم کو اسی سمت میں لے جائے گا جو اس نے اپنے لیے طے کی ہے اور جس پر اس کا گروہ متحد ہوا ہے، اور یہ سمت اس ریاستی ڈھانچے کا ایسا جزو بن چکی ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔

اگر ہم یہ کہیں کہ معاشرہ لوگوں اور ان کے باہمی تعلقات کا نام ہے، تو ان تعلقات کی سربراہی کرنے والا حکمران یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ایسے افکار پیدا کرے جن پر وہ یقین کر لیں، تاکہ وہ قوم فکر کے اعتبار سے "حاکم کی قوم" بن جائے۔ یہ حکمران طبقہ قوم کے دلوں میں ایسے جذبات پیدا کرنا اور بونا چاہتا ہے جیسے وطن اور وطن پرستی، قوم اور قوم پرستی، تاکہ قوم اُسی طرف جھکے جس طرف حکمران طبقہ مائل ہے، اس لالچ میں کہ یہ اقتدار قائم رہے اور قوم خود اس اقتدار کی محافظ بن جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ حکومت اپنی فکری سطح کے مطابق پوری کوشش کرتا ہے کہ قوم کو وہی سوچ دے جو اس کی اپنی ہے اور اسے اسی طرف موڑ دے جس

طرف وہ خود مائل ہے۔ چونکہ ہمارے ممالک میں حکمران امت پر ایک مغربی سیکولر نظریہ مسلط کرتے ہیں، خواہ یہ سیکولر نظریہ وطن پرستی، قوم پرستی، سوشلزم یا کسی بھی دوسرے لبادے میں لپٹا ہو، امت کے افکار اور رجحانات سے متصادم ہے۔ امت میں شعور کی بیداری اور تبدیلی کے لیے کام کرنے والی باشعور تحریکوں کی موجودگی کی وجہ سے امت اور حکمرانوں کے درمیان پایا جانے والا تضاد نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ آج امتِ مسلمہ کی صورتحال یہ ہے کہ امت اس اقتدار کی ہرگز محافظ نہیں اور نا ہی کبھی ہوگی، بلکہ وہ اس کی تاک میں ہے اور اس کے برے وقت کا انتظار کر رہی ہے۔ 'عرب بہار' کے دوران عوام تبدیلی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے، لیکن حکمرانوں نے اپنے آقاؤں کی حمایت یافتہ وحشیانہ طاقت کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ نتیجتاً امت اور حکمرانوں کے درمیان دوری مزید بڑھ گئی، اور حکمرانوں نے خود کو ایک اجنبی کے طور پر پایا جو ہیرا پھیری، دھوکہ دہی، جعل سازی اور غنڈہ گردی کے سوا کسی کی نمائندگی نہیں کرتا۔

اگرچہ ہم اپنے ہر ملک کے نظام اور طرزِ حکومت کے مابین فرق کی تفصیلات، نظامِ حکومت کے تشکیل پانے کے طریقے، اس کے مقامی حالات اور اس کے بین الاقوامی تانے بانے سے واقف ہیں، تاہم ہم یہاں نظام ہائے حکومت کی محض ایک خصوصیت کے خلاصے پر اکتفا کریں گے اور تفصیلات کو ان کے مناسب وقت کے لیے چھوڑ دیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ: اس حکمران مقتدرہ، یا حکومت کے افراد، لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہیں جو اپنی حکمرانی برقرار رکھنے کے لیے راتوں کو نہیں سوتے، کیونکہ ان کے اس اقتدار کے ساتھ مختلف مفادات وابستہ ہیں۔ ان مفادات میں اقتدار و قیادت کا مزہ، لوگوں کے ایک بڑے گروہ کو اپنی مرضی اور نظریات پر چلنے کے لیے مجبور کرنا، اور اس نگرانی و پاسبانی کے مشن میں کامیابی اور برتری کا احساس شامل ہے جو مغرب نے ان کے سپرد کیا ہے؛ جیسے اسلام کے خلاف جنگ، اسے اقتدار میں آنے سے روکنا اور مغرب کے اثر و رسوخ کا تحفظ کرنا۔ ہم اس بڑے انعام یا اجرت کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جسے یہ پہرے دار برقرار رکھنا چاہتے ہیں؛ اور وہ ہے مالی اور سیاسی بدعنوانی میں غرق ہونا اور اس فانی زندگی کی لذتوں سے لطف اندوز ہونا۔

جب وہ مطلوبہ تبدیلی آتی ہے تو ایک طاقتور گروہ، جسے یہ حکمران اپنا ہی سمجھتا ہے، اس کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے اور پلک جھپکتے میں حالات بدل دیتا ہے۔ جب یہ گروہ ابتدائی دنوں میں نئی صورتحال کو مستحکم کرنے اور پرانے حکمران کو دوبارہ طاقت جمع کرنے سے روکنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تاکہ حالات پہلے والی پوزیشن پر واپس نہ جا سکیں، تو حکمران کو شکست ہو جاتی ہے۔ پھر اسلام ایک نئے

اقتدار کے طور پر جڑیں پکڑنے لگتا ہے۔ ایسے میں نئے اقتدار کا فوری مشن یہ ہوتا ہے کہ وہ فی الفور پرانے اقتدار کے کارندوں سے چھٹکارا حاصل کرے۔

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ پرانے اقتدار کی حرکت کرنے کی صلاحیتوں کو مفلوج کرنا ایک خودکار عمل یا محض نتیجہ ہے، وہ غلطی پر ہے؛ بلکہ یہ ایک انتہائی پیچیدہ عمل ہے۔ اگر اسے صحیح طریقے سے انجام نہ دیا جائے تو معزول حکمران کے باقی ماندہ عناصر کا دوبارہ اکٹھا ہونا ممکن رہتا ہے۔ لہٰذا، فوری اور ہنگامی اقدامات اٹھانا ناگزیر ہے، جن میں کم از کم اقدام یہ ہے کہ معزول نظام کے گماشتوں یا کارندوں کو ایسی سخت نگرانی میں رکھا جائے جو کسی بھی قسم کی سرگرمی کو ناکام بنانے اور اسے ابتدائی مرحلے میں ہی کچل دینے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ لیکن سابقہ نظام کے وہ کارندے کون ہیں جن پر مکمل قابو پانے کے لیے مختلف اقدامات ضروری ہیں؟ اور ان کے عہدے اور اقسام کیا ہیں؟

یہ مضمون نظام سے وابستہ ان لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تجویز پیش کرتا ہے: پہلا "نظام کے اصل نمائندے" اور دوسرا "ان کے معاونین"۔ اس مضمون میں سیاسی نظام کو ایک ایسے درخت سے تشبیہ دی جاتی ہے جس کا ایک موٹا تنا ہے اور مختلف شاخیں ہیں، جن میں سے کچھ مضبوط اور کچھ کمزور ہیں، اور اسی طرح اس کی ٹہنیاں اور جڑیں بھی ہیں۔ اس بنیاد پر ہم نظام کے درخت کے ہر حصے اور گروہ کی خصوصیات، ان کے خطرے کی شدت، ان کے خلاف کیے جانے والے ضروری اقدامات اور ان کے لیے مقررہ وقت کو واضح کریں گے۔

جہاں تک "تنے" کا تعلق ہے، تو یہ نظام کے وہ لوگ ہیں جو اس کا "ٹھوس مرکز" (Core) بناتے ہیں، اور یہ لوگ اس نظام کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر نظام گر جائے تو آپ انہیں دوبارہ اکٹھا ہوتے اور اسے واپس لانے کی راہیں تلاش کرنے کے لیے مشورے کرتے ہوئے دیکھیں گے؛ مطلب یہ کہ یہ لوگ نظام کے سیاسی حلقے کا سب سے مضبوط گروہ ہیں۔ ان لوگوں کی یہ زنجیر اپنی پہلی کڑی سے لے کر (جو ہلاک ہو چکی) اور جس کی وراثت اگلی کڑی نے سنبھال لی ہے، اپنی سیکولر سوچ اور اسلام دشمنی پر سختی سے قائم ہے، اور وہ اس دشمنی کو نسل در نسل درپردہ منتقل کرتے آ رہے ہیں، خواہ مغرب کا ان سے کوئی رابطہ ہو یا نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ گروہ خود مختار طور پر کام کرنے اور اپنی صفوں کو دوبارہ منظم کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ با اثر افراد کا یہ گروہ بذاتِ خود وہ نظام ہے، اور یہی ہمارے ممالک میں مغربی اثر و رسوخ اور توسیع کے لیے قدم جمانے کا ذریعہ ہیں۔ ہر ملک کے لحاظ سے ان کی تعداد مختلف ہوتی ہے؛

اندازہ ہے کہ لیبیا اور یمن جیسے چھوٹے ممالک میں یہ سینکڑوں کے لگ بھگ ہیں، جبکہ مصر اور پاکستان جیسے بڑے ممالک میں ان کی تعداد ایک ہزاروں تک ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ نظام کے دیگر کارندوں اور سیاسی حلقوں کے لیے پہلا ستون سمجھے جاتے ہیں اور نظام کی تمام شاخوں کے لیے مرجع (Reference) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ اتنے طاقتور، تجربہ کار اور بااثر ہیں کہ مغرب کے کہے بغیر بھی نظام کے دفاع کے لیے خود بخود حرکت میں آ جاتے ہیں، اور یہی لوگ ہر نظام میں طاقت کا اصل مرکز ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ تبدیلی کے ابتدائی گھنٹوں میں سختی سے نمٹا جانا چاہیے اور ان کی بھاری اکثریت سے نمٹنے کا عمل تبدیلی کے پہلے تین دنوں کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے۔

نظام کے درخت کی شاخوں کا جہاں تک تعلق ہے، تو یہ وہ لوگ ہیں جنہیں پہلے حصے یعنی 'تنے' کے لوگوں نے نظام کے تحفظ کے لیے مختلف عہدوں پر فائز کیا ہوتا ہے، جیسے سیکورٹی اداروں کی قیادت، وزراء، گورنرز یا صوبائی قائدین اور اسی طرح کے دیگر عہدیدار۔ اصل میں ان کی حیثیت محض ملازمین کی ہے اور نظام کے خاتمے کے ساتھ ہی ان کی ملازمتیں بھی اپنے انجام کو پہنچ جائیں، لیکن نظام کے کارندوں کے ساتھ طویل عرصے تک کام کرنے اور اپنی زندگیوں اور مفادات کو اس نظام سے وابستہ کر لینے کی وجہ سے یہ اس کا اٹوٹ انگ بن چکے ہیں۔ یہ لوگ سابقہ حالات کی واپسی کی امید پر نظام کے اصل کارندوں (یعنی 'تنے') میں سے کسی کے بھی اشارے پر نئے نظام کے خلاف حرکت میں آ سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ خود سے کوئی اقدام نہیں کرتے بلکہ نظام کے طاقتور مہروں کے اشارے پر حرکت میں آتے ہیں اور ان میں خود سے کسی مخالفانہ کارروائی کی منصوبہ بندی کرنے کی جرات نہیں ہوتی، بلکہ وہ صرف ان کے پیروکار ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کے خطرے کو کم نہیں سمجھا جا سکتا۔

نظام کے اصل نمائندے اس طبقے کے لوگوں کو مغرب کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ انہیں سیکولرازم کی تعلیم دیں اور انہیں اپنی وزارتوں اور محکموں کے ذریعے اسے پھیلانے اور اس کے تحفظ کا انتظام کریں۔ اس طبقے کے لوگوں میں سے نظام کے ساتھ وابستگی کے لحاظ سے 'مضبوط شاخ' اور 'کمزور شاخ' کے درمیان فرق کرنے کا سب سے نمایاں ذریعہ ان کا مغرب کے ساتھ رابطہ ہے۔ تبدیلی کے داعیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجودہ حکومتوں میں ان تمام مراکز سے باخبر ہوں جن سے مغرب رابطہ رکھتا ہے؛ کیونکہ وہ یقینی طور پر فوج اور سیکورٹی اداروں کی قیادت سے رابطہ میں رہتا ہے۔ یہ بات صرف دارالحکومت کے حلقوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار ان سے آگے بڑھ کر صوبوں یا اضلاع تک پھیل جاتا ہے، اور یہ تعلیم جیسی غیر اساسی (غیر ضروری) وزارتوں سے بھی رابطے میں رہتا

ہے تاکہ اپنے لادین نظریات کی ترویج کر سکے اور اسلام کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ 'کمزور شاخیں' جنہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے وہ ہیں جن سے مغرب کا (سیاسی یا فکری) رابطہ نہیں ہوتا، اور یہ ہر ملک کے لحاظ سے مختلف ہو سکتا ہے، جیسے وزارتِ اوقاف، زراعت، نقل و حمل اور مواصلات وغیرہ۔ لیکن اگر مغرب کے ان کمزور شاخوں کے ساتھ روابط صرف فنی اور پیشہ ورانہ تعاون کی حد تک ہوں، تو اسے بھی نظر انداز کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہمارے ممالک میں مغرب کا اثر ورسوخ بہت پھیل چکا ہے۔ یعنی وہ بے وقعت عناصر، جو محض تنخواہ دار ملازم رہے، اور ان اہم افراد کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے جن کی نظام سے وابستگی نے انہیں اس کا حصہ بنا دیا۔

نظام کی 'مضبوط شاخوں' کی نمائندگی کرنے والے یہ لوگ دارالحکومت کی مرکزی قیادت اور ان کے حواری، اور اسی طرح صوبوں اور اضلاع کی قیادت اور ان کے ساتھ جڑے ہوئے لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ بھی فوری طور پر نمٹنا ضروری ہے، جس کا آغاز تبدیلی کے پہلے ہی ہفتے میں ان کے سرغنوں سے ہونا چاہیے، اور پھر ان کے بعد دوسروں کی باری آنی چاہیے، تاکہ تبدیلی کے بعد دوسرا مہینہ شروع ہونے سے پہلے ان پر مکمل قابو پا لیا جائے۔ مصر، سعودی عرب یا عراق جیسے ممالک میں ان کی تعداد دس ہزار سے کم نہیں ہوگی۔

رہی بات نظام کے درخت کی 'ٹہنیوں' کی، تو وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں، جیسے چھوٹے افسران، سیکورٹی اہلکار اور سابقہ نظام کے باقی ماندہ ملازمین۔ یہ لوگ زیادہ اہمیت کے حامل نہیں ہیں اور ان کے ساتھ اس وقت تک نمٹنے کی ضرورت نہیں جب تک ان میں سے کسی کی طرف سے کوئی خطرہ ظاہر نہ ہو۔ یہ لوگ عموماً تنخواہ دار ملازم ہوتے ہیں؛ مطلب یہ کہ اگر کوئی دوسرا ادارہ انہیں ان کی سابقہ سرکاری تنخواہ سے زیادہ رقم ادا کرے یا کام کے بہتر حالات فراہم کرے تو وہ نظام کی وابستگی سے باہر نکل آئیں گے۔ اگرچہ امت انہیں اپنی تحریکوں کے خلاف نظام کے 'ہراول دستے' کے طور پر دیکھتی ہے جیسے چھوٹے درجے کے سیکورٹی اہلکار اور ملازمت کی مجبوری کی بنا پر نظام کا دفاع کرنے والے، لیکن مجموعی طور پر یہ لوگ خطرناک نہیں ہیں اور نہ ہی یہ اقتدار کی نمائندگی کرتے ہیں بلکہ یہ محض اقتدار کے 'معاونین' ہیں۔ ان کی از سرِ نو بھرتی کو روکنے کے لیے ان کی کڑی اور طویل مدتی نگرانی ضروری ہے۔ یہ معاونین، امت اور اس کے نئے اقتدار کے خلاف جاسوسی کا اڈا بنے رہتے ہیں اور یہ وہ سستا ترین مال ہے جسے مغرب اسلامی ممالک میں خرید سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ امت کی عزت کے ظہور کے ساتھ بدل جائیں گے، جبکہ کچھ دوسرے غلاظت کے ڈھیروں میں رہنے کے ہی متمنی رہیں گے کیونکہ وہ سالہا سال اس کی بدبو کے عادی ہو چکے ہیں اور انہیں یہی پسند ہے۔

اقتدار کے کارندوں کا اب ایک حصہ باقی رہ گیا ہے جسے ہم نے "جڑوں"، یعنی تیسرے درجے سے تعبیر کیا ہے، اور اس حصے کی خطرناکی یہ ہے کہ یہ امت میں افقی طور پر (ہر سطح پر) پھیلا ہوا ہے، یعنی یہ تمام شہروں اور دیہاتوں میں موجود ہے۔ ہو سکتا ہے ان میں سے بعض ریاست کے ملازم بالکل نہ ہوں، بلکہ ان کے دوسرے مشاغل ہوں، لیکن وہ اقتدار کا اس طرح جان توڑ دفاع کرتے ہیں جو ان کے پختہ یقین کی عکاسی کرتا ہے۔ جہاں تک ان کی پہچان کا تعلق ہے، تو یہ مضمون یہ تجویز کرتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نظام کے دفاع کے لیے خود کو رضاکارانہ طور پر پیش کرتے ہیں اور کسی کے کہے بغیر اس کی مدد کے لیے لپکتے ہیں، اور ایسا اس لیے نہیں ہوتا کہ اقتدار گرنے سے ان کی نوکری یا روزی چھن جائے گی، بلکہ اس لیے کہ یہ نظام ان کے نظریات اور رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ لوگ ان "جڑوں" کو پہچانتے ہیں اور انہیں معاشرے میں نظام کے آخری نمائندوں کے طور پر دیکھتے ہیں، یعنی نظام کے مرکزِ ثقل سے دوری کے اعتبار سے۔ اندازہ ہے کہ یہ طبقہ امت کے ہر ہزار افراد میں دو کی نمائندگی کرتا ہے، جو مقام کے لحاظ سے تھوڑے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں۔

یہ لوگ خطرناک اور اسلام اور اس کی حکمرانی کے دشمن ہیں، کیونکہ ان کی شخصیات سیکولر یا وطن پرست بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہیں، جو ان میں راسخ ہو چکی ہیں اور ان کے نفوس پر غالب آ چکی ہیں، خواہ وہ نماز پڑھیں اور روزے رکھیں۔ وہ اسلام کو ایسا مذہب سمجھتے ہیں جسے سیاست میں مداخلت کا کوئی حق نہیں، اور آپ انہیں مختلف اسلامی تحریکوں کے خلاف ان کی شدید دشمنی سے پہچان سکتے ہیں۔ نظام کے کارندے امت میں سرایت کرنے کے لیے ان پر بھروسہ کرتے ہیں، خواہ یہ لوگ ریاست کے ملازم نہ ہوں یا اس سے فائدہ نہ اٹھا رہے ہوں، یا چاہے وہ ریاست کی "اپوزیشن" میں ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ہر نظام کی ایک اپوزیشن ہوتی ہے جو اسی کی طرح اور اسی کی جنس سے ہوتی ہے۔ اگر (تبدیلی کی) مخالف ہوائیں چلیں تو آپ انہیں اسلام کو اقتدار سے گرانے کے لیے رضاکاروں میں سب سے آگے پائیں گے، اس لیے ان سے نمٹنا ضروری ہے، اور انہیں تبدیلی کے آغاز کے پہلے تین ماہ کے عرصے میں محدود کرنا اور کڑی نگرانی میں رکھنا ضروری ہے تاکہ کسی بھی تحریک کو شروع ہوتے ہی کچلا جا سکے۔ اس طبقے کے افراد کے ساتھ نمٹنے کی یہ کم از کم صورت ہے۔ معاشرے میں اسلام کا نفاذ اس وقت تک کامیاب اور گہرا نہیں ہو سکتا جب تک اس طبقے کے افراد کی معاشرے میں کوئی عزت یا اثر و رسوخ باقی رہے، اس لیے انہیں ایک خاص مدت تک کسی بھی عوامی سرگرمی سے مکمل طور پر روک دینا ضروری ہے تاکہ اسلام مستحکم ہو جائے اور اس کے مردِ کار سامنے آ جائیں، یہاں تک کہ دور دراز کے چھوٹے دیہاتوں میں بھی۔

یہ وہ تجاویز ہیں جن پر یہ مضمون عمل درآمد کی تحریک دیتا ہے تاکہ مغرب کے آلہ کار حکمران کے کینسر، یعنی اس کی قیادت، رہنمائی اور ریاست و معاشرے میں اس کے بااثر کارندوں کی کامیابی کے ساتھ بیخ کنی کی جا سکے، اور تبدیلی کے عمل کے آغاز کے ساتھ ہی سیکولرازم کے کینسر کو جڑ سے اکھاڑنا ضروری ہے، تاکہ یہ سیاہ گروہ راکھ کے نیچے دبی ہوئی آگ نہ بن جائیں جو اسلام کے نئے اقتدار کے سامنے کبھی بھی دوبارہ بھڑک سکے۔

یہ بات طے شدہ اور مسلمہ ہونی چاہیے کہ اقتدار کے نمائندے، اپنے تینوں مذکورہ اقسام میں، وہ مضبوط چٹان ہیں جو اللہ کے دین کو غالب آنے سے روکتے ہیں، یہی ہمارے ممالک میں مغرب کے سرخیل ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو ہمارے ملک میں مغرب کا "ہراول دستہ" ہیں، جنھوں نے وہ اولیں مورچہ بننا قبول کیا ہمہ وقت بیدار رہتا تاکہ "لا الہ الا اللہ" کا کلمہ سربلند نہ ہو سکے۔ اللہ کے کلمے کو غالب کرنے کی خاطر، اس ہراول دستے کے "تنے" کا فوری تدارک کچھ یوں ہونا چاہیے، کہ اس کی "مضبوط شاخوں" کا تیزی کے ساتھ قلع قمع کیا جائے، اور اس کی "جڑوں" کو اکھاڑنے میں ہرگز تاخیر نہ برتی جائے۔ "جاؤ تم سب آزاد ہو" کے تصور سے استدلال کرنا نادانی ہے، کیونکہ یہ جبری اقتدار، جو امت کو کچلنے، ان پر کفر مسلط کرنے اور اسلام کو غالب ہونے سے روکنے کے لیے پہرے دینے پر قائم ہے، اس استدلال پر پورا نہیں اترتا۔ اقتدار کے یہ نمائندے اپنی مذکورہ اقسام کے ساتھ اس اُمت کا حصہ نہیں ہیں، وہ اسلام کے دشمن ہیں، اور وہ کافروں کے ساتھ پہلی صف میں کھڑے ہو کر اسلام کے خلاف لڑتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی صورت میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک جائز نہیں ہے، اور آپ مصر میں محمد مرسی کے ساتھ سیسی کا "حسنِ سلوک" دیکھ چکے ہیں، اور آپ نے بہت کچھ دیکھا ہے... بلکہ ان پر خاص اور سخت احکام نافذ کرنا واجب ہیں۔ رہا یہ سوال کہ ان کے ساتھ یہ سلوک کیسا ہوگا، تو خبرناموں میں ان واقعات کی تفصیلات ان الفاظ سے کہیں بہتر ہوں گی جو یہاں بیان کیے جائیں، ﴿**وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا**﴾ **"اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کب ہوگا؟ کہہ دیجیے کہ شاید وہ قریب ہی ہو"**۔ (سورۃ الاِسراء: آیت 51)

[فہرست]

# اصلاحِ رائے: یہ کوئی فرقہ وارانہ جنگ نہیں، بلکہ خالصتاً ایک صلیبی جنگ ہے

أستاذ مناجي محمد

**متقی و نیک سیرت مسلمانوں کے نام!** کہیں ایسا نہ ہو کہ ایرانی حکومت کے جرائم آپ کو اس صلیبی جنگ کی حقیقت سے غافل نہ کر دیں جو امریکہ نے اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف برپا کر رکھی ہے۔ اس جنگ کا میدان مشرق سے لے کر مغرب تک، پوری مسلم دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ جب صلیبی مغرب پوری امتِ مسلمہ کو مغلوب کرنے اور ہمارے تمام علاقوں پر اپنی جارحیت پھیلانے میں ناکام رہا، تو اس نے پورے خطے میں مرحلہ وار انداز میں جنگیں چھیڑ دیں؛ جن کا سلسلہ افغانستان، عراق، صومالیہ، سوڈان، شام، یمن، غزہ اور لبنان سے ہوتا ہوا آج ایران تک آن پہنچا ہے۔ ایران کے خلاف آج بھڑکتی ہوئی یہ جنگ مغرب کی اس صلیبی مہم کا محض ایک پہلو ہے جس کا مقصد ابھرتی ہوئی ہمہ گیر اسلامی تحریک کے جواب میں خطے کی نئی تشکیل کرنا اور تیزی سے پروان چڑھتے ہوئے اسلامی تہذیبی منصوبے کا راستہ روکنا ہے۔

امریکہ اور مغرب اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ مقامی آلہ کار اور ایجنٹ، کٹھ پتلی حکومتیں اسلامی چیلنج کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ اسی وجہ سے امریکہ نے خطے کو از سرِ نو تشکیل دینے اور ان تابع حکومتوں کو دوبارہ منظم کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، تاکہ انہیں براہِ راست اپنے زیرِ انتظام ریاست (protectorate colonies) کے طور پر چلایا جا سکے، جنہیں امریکی استعماری نظام کے ہائی کمشنرز کے ذریعے کنٹرول کیا جائے۔ امریکہ کی استعماریت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے، مثلاً امریکی تسلط کو یقینی بنانے کے لئے ایسے امریکی سفارت خانے بنائے گئے ہیں جو گویا حکومتوں کے برابر حیثیت رکھتے ہیں، اور ایسے سفیر جو مقامی حکمرانوں کے ہم پلہ اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ استعماری احکامات اور مقامی حکومتوں پر کنٹرول بھی شامل ہے۔ مزید برآں، خطے میں امریکی استعماری قوتوں کی بھاری فوجی موجودگی بھی قائم ہے، جو امریکی بری اور فضائی افواج کے فوجی اڈوں کے ذریعے زمین اور فضا پر کنٹرول برقرار رکھتی ہے، جبکہ خطے کے سمندروں پر قبضہ کر کے امریکی بحری طاقت کی بالادستی کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

عراق کی حکومت اور احمد الشرع کی شام میں نئی ایجنٹ حکومت اس بات کی نمایاں مثالیں ہیں کہ امریکہ خطے کی حکومتوں کو کس طرح اپنی مرضی کے مطابق تشکیل دے رہا ہے، اور یہی عمل وہ پورے خطے میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ ٹرمپ کی جانب سے ایران پر حملہ

دراصل ایرانی حکومت کو از سرِ نو ترتیب دینے اور اس کی تمام طاقت کے ذرائع کو ختم کرنے کے لئے ہے، جس کے تحت اس کا منصوبہ خطے میں ایران کے تمام اثر و رسوخ کے نیٹ ورکس کو ختم کر دینا ہے، اس کے بعد یا تو ایران کو امریکی نظام کی شرائط کے مطابق مکمل طور پر جھکنے پر مجبور کیا جانا تاکہ اسے خطے کے نئے ڈھانچے میں ضم کیا جا سکے، یا پھر اس کی جگہ ایک زیادہ تابع اور ایجنٹ حکومت کو قائم کیا جانا اس منصوبے کا حصہ ہیں۔ اب امریکہ ان تمام خدمات سے مطمئن نہیں رہا جو اسے ایران کے حکمرانوں کی طرف سے فراہم کی جاتی رہی ہیں۔ بلکہ اب وہ ایک مکمل تابع فرمان کالونی، ایک ایجنٹ حکومت، اور ایسے غلام حکمران چاہتا ہے جنہیں محض احکامات دیئے جائیں اور وہ بنا کسی چوں و چرا کے ان احکام کی تابعداری کرتے رہیں۔

یہ امریکی صلیبی منصوبہ بندی اور خطے کی حکومتوں کی از سرِ نو تشکیل پاکستان اور ترکی، ان دونوں کو بھی گرداب کے گھیرے میں لا رہی ہے۔ جبکہ جہاں تک باقی استعماری کردار ادا کرنے والی تابع ریاستوں کا تعلق ہے تو غزہ کی جنگ نے پہلے ہی ان استعماری کالونیوں کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، جس میں ان ریاستوں پر چھایا قومی ریاست کا نقاب اتر چکا ہے اور وہ کفر پر مبنی صلیبی کے سامنے مکمل طور پر جھک گئے۔ اور اب ایران پر امریکہ کے بے رحمانہ حملے کے ساتھ، ہم اس استعماری حقیقت کے خوفناک اور شرمناک پہلو کا سامنا کر رہے ہیں۔ کافر صلیبی اپنی اس صلیبی مہم کو اسلام کی سرزمینوں اور مسلمانوں کے سمندروں کے اندر سے ہی، اپنی ان تابع فرمان کالونیوں میں موجود فوجی اڈوں سے برپا کئے ہوئے ہے جو مکمل طور پر استعماری سرپرستوں کے تابع ہیں، اور حتیٰ کہ یہ ریاستیں استعمار کے ساتھ تعاون بھی کر رہی ہیں۔

ہم کسی ایسی فرقہ وارانہ جنگ کا سامنا نہیں کر رہے جو ایک مکروہ مذہبی تعصب کو جواز فراہم کرتی ہو۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی وحشیانہ صلیبی مہم ہے، جس میں غزہ ہو یا تہران، ویسٹ بنک ہو یا اصفہان، ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔ اس صلیبی مہم کے میدانِ جنگ تو یقیناً مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن صلیبی مقصد ایک ہی ہے: یعنی اسلام کو کچلنا اور اس کی امت کو مغلوب کرنا۔ ملعون صلیبی ہمیں بار بار اپنی نفرت کی اصل فطرت اور اپنی وحشیانہ صلیبی مہم کی حقیقت یاد دلا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر، امریکی وزیرِ دفاع پیٹ ہیگستھ (Pete Hegseth) اس صلیبی جنگ کے حقیقی مقصد کا کھلم کھلا اعلان کرتا پھر رہا ہے کہ "ایران جیسی خبطی حکومتیں، جو نام نہاد مذہبی جنون میں مبتلا ہیں، ہرگز نیوکلیئر اسلحہ نہیں رکھ سکتیں"۔ وہ مزید کہتا ہے کہ "بنیاد پرست اسلام پسندوں کے پاس نیوکلیئر بم نہیں ہونا چاہئے کہ جسے وہ دنیا کے خلاف استعمال کریں"۔ اس کے علاوہ، غزہ کی جنگ اور ایران پر حملہ کے بارے میں ٹرمپ کے اتحادی سینیٹر، لنڈسے

گراہم (Lindsey Graham) کی جانب سے بار بار کئے جانے والے یہ صلیبی اعلانات کہ "یہ ایک مذہبی جنگ ہے"، اسی نکتے کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی سمت کی تصحیح کرنی چاہیے، کیونکہ اس راہ میں کی گئی کوئی بھی غلطی مہلک اور تباہ کن ثابت ہو گی۔ اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف برپا ہونے والی صلیبی جنگیں ابھی اختتام پذیر نہیں ہوئیں، اور یہ تب تک ختم نہیں ہو سکتیں جب تک کہ اسلام کی تیز دھار تلوار، اس کی ریاست (خلافت) اور امتِ مسلمہ کی وحدت ان جنگوں کی راہ میں آہنی دیوار کی مانند حائل نہ ہو جائیں۔

سنی اور شیعہ کی تقسیم کو بھول جایئے؛ یہ امتِ مسلمہ میں پھوٹ ڈالنے کے لئے مغربی چالوں کے سوا کچھ نہ تھیں۔ جب مغرب نے ہمارے خلاف اپنی صلیبی جنگ چھیڑی، تو اس نے ہمیں ایک واحد اکائی کے طور پر دیکھا، جس کا ایک ہی دین، ایک ہی ثقافت، ایک ہی تہذیب اور ایک ہی امت ہو۔ یہ ملعون دشمن ہم سے الگ الگ گروہوں، فرقوں یا مکاتبِ فکر کی بنیاد پر نہیں لڑتا، بلکہ وہ ہمیں صرف ایک مسلمان ہونے کی بنا پر نشانہ بناتا ہے۔ البتہ وہ دشمن ہمیں ان بٹواروں کی درجہ بندیوں میں الجھا کر ہماری توجہ اصل نکتے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ خود اس کی تمام تر توجہ جنگ کے دوران ہماری ایک وحدت کی طرف ہوتی ہے۔ اس دشمن کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور ہمارے عظیم اسلام کو دنیا سے ختم کر ڈالے۔

سنی اور شیعہ کی تقسیم کو بھول جایئے؛ یہ امتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے مغربی حربے اور چالوں کے سوا کچھ نہ تھیں۔

**اے فرزندانِ اسلام!** جان لیں کہ آپ کے داخلی سیاسی مسائل کا حل سیاسی طریقے سے ہی ممکن ہے، یعنی اپنے تمام غدار حکمرانوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے، نہ کہ ان کے پھیلائے ہوئے زہریلے قومیت پرستانہ، نسلی اور فرقہ وارانہ نعروں کی طرف دوڑتے ہوئے ان کا جواب دیا جائے، اور نہ ہی ان مصنوعی دشمنیوں کو قبول کیا جائے جو صلیبی کافر نے آپ کے درمیان آپ کی وحدت کو توڑنے اور آپ کی اسلامی اخوت کو تباہ کرنے کے لئے پیدا کر دی ہیں۔ یہ حقیقت جان لیں کہ ایران کے حکمران اور دیگر تمام استعماری ریاستوں کے "رویبضہ" حکمران امتِ مسلمہ کے خلاف غداری میں برابر ہیں اور آپ کے خلاف جرائم میں شریک ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس نے آپ کے خون سے اپنے ہاتھ نہ رنگے ہوں، اور ان کے کالے کرتوتوں کی تاریخ کو ہرگز مٹایا نہیں جا سکتا، جیسا کہ الجزائر کی خانہ جنگی جسے "سیاہ دہائی (Black Decade)" کے نام سے جانا جاتا ہے، مراکش کے ظلم و جبر کا دور جسے "سیسہ (یعنی بندوق کی گولی) کے سال (Years of Lead)" کے نام سے جانا جاتا ہے، عراق اور شام میں بعث پارٹی کے سفاک ترین مظالم،

السیسی کی طرف سے مصر کے اسکوائرز میں امت کا قتلِ عام اور بشار کے ڈھائے ہوئے ہولناک مظالم، اور اسی طرح ایرانی نام نہاد مذہبی رہنماؤں کی جانب سے شام میں خون کی ہولی اور نیز ان کی جانب سے افغانستان و عراق پر قبضہ کرنے میں امریکہ کو مدد فراہم کرنا، اور اس کے علاوہ یمن و لبنان میں امریکی مفادات کا تحفظ کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ اور ان غدار حکمرانوں کے جرائم کی یہ فہرست ابھی بہت طویل ہے۔

جہاں تک ہماری امتِ مسلمہ کا تعلق ہے، تو یہ مسئلہ بنیادی طور پر فکری نوعیت کا ہے اور اسے صرف عمیق فکری مباحثہ جات، باہمی مشاورت، حکمت، صبر اور اپنے کافر دشمن کے خلاف باہم متحد ہونے سے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ خبردار! اپنے کافر دشمن کے بچھائے ہوئے فریبی جالوں اور بارودی سرنگوں سے بچو، اس کی قوم پرستی، اس کی فرقہ واریت، اس کے مذہبی تعصب اور اس کی جانب سے گھڑلی گئی عداوتوں سے ہوشیار رہیں۔ آپس کے انتشار اور خانہ جنگی سے بچیں، اور آپس میں جھگڑا نہ کریں، ورنہ آپ ناکام ہو جائیں گے، آپ کی طاقت کمزور پڑ جائے گی، اور آپ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے کافر دشمن اور اس کے کارندوں کے اس ناپاک مقصد کو پورا کر بیٹھیں گے: جو کہ آپ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا ہے۔

**اس حقیقت کو اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ:** مغربی صلیبی مہم کسی بھی فرقہ وارانہ تنازع یا نفرت انگیز تعصب سے کہیں زیادہ بدتر، کہیں زیادہ کفریہ اور کہیں زیادہ مردود ہے۔ کفار کی یہ جنگ آپ کی بربادی اور آپ کے دین، اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے ہے۔ لہٰذا ثابت قدم رہیں اور جان لیں کہ یہ اسلام اور اس کی امت کے خلاف جنگ ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہونے دیں کہ فرقہ وارانہ تعصب کا تعفن اور عدم رواداری کی مکروہ فطرت آپ کی توجہ کو اس بڑی صلیبی جنگ سے ہٹا دے، بالکل اسی طرح جیسے آپ کو صلیبی مغرب کے طیاروں اور میزائلوں کے شور سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ مغرب کا زوال محض اس کی فوجوں کے کچلے جانے میں نہیں، بلکہ اس کی تہذیب کی سڑاند اور اس کی ثقافت کی غلاظت میں پوشیدہ ہے۔ ایپسٹین سکینڈل کا وہ کھولتا ہوا آتش فشاں، جس کا ارتکاب اسی مغرب نے کیا ہے جو چھوٹے چھوٹے بچوں کا بھی ریپ کر دیتا ہے اور حتیٰ کہ معصوم نوزائیدہ کو بھی نہیں چھوڑتا، اور یہ سب آپ کے دشمن کی اخلاقی پستی اور اس کے زوال کا واضح ثبوت ہے۔

**یہ حقیقت اچھی طرح سے جان لیں اور پلے سے باندھ لیں کہ آپ کی نجات صرف اور صرف اسلام ہی میں ہے۔** آپ کی آزادی (تحریر) کی کشتی اور آپ کے دشمن کو شکست دینے کا واحد ذریعہ آپ کی اسلامی ریاست کا قیام کرنے میں اور آپ کے رب کی

شریعت کا نفاذ کرنے میں ہے، تاکہ آپ کی امت اور پوری انسانیت کو مغرب کے اس (دہکتے) آتش فشاں سے بچایا جا سکے جس میں وہ جل رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ * وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْساً لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ * ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لئے ہلاکت ہے اور اللہ ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اسے (وحی) ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل فرمایا تھا، پس اللہ نے ان کے اعمال اکارت (برباد) کر دیئے"۔ [سورۃ محمد؛47:9-7]

فہرست

# سوال وجواب: ایران کے خلاف جنگ

حزب التحریر

**سوال:**

ٹرمپ کے بار بار بدلتے ہوئے بیانات، جن میں پہلے ایران کو 48 گھنٹے کا الٹی میٹم دیا گیا، پھر اسے 5 دن کی ڈیڈلائن میں بدلا گیا، پھر 10 دن کی مہلت اور پھر اس کا مجوزہ 15 نکاتی منصوبہ، ان سب کے کیا اثرات اور نتائج ہوں گے؟ اور پھر بیانات بدلنے کا ایک سلسلہ ہے، جن میں سے زیادہ تر ٹرمپ کی طرف سے اور کچھ ایران کی جانب سے سامنے آرہے ہیں۔ اس کے بعد ایرانی ٹیلی ویژن کا وہ اعلان ہے کہ جس میں ایران کی جانب سے ٹرمپ کی تجویز کو مسترد کر دیا گیا ہے۔ اور پھر ان تمام امور کا نتیجہ کیا نکلے گا؟... کیا ٹرمپ ایران کو ایٹمی ہتھیار اور بھاری میزائل حاصل کرنے سے روکنے کے اپنے مقاصد حاصل کر لے گا، اور یوں ایران کو دوبارہ امریکہ کے مدار میں (زیرِ اثر لانے) یا اسے ایک تابع ریاست بنانے میں کامیاب ہو جائے گا، یا پھر ایران ایک خود مختار ریاست بن کر ابھرے گا؟ اور کیا یہ سچ ہے کہ "یہودی وجود"، امریکہ کی منظوری سے جنوبی لبنان کو دریائے لیطانی تک اپنے ساتھ ملا کر اپنی ریاست کی حدود کو وسعت دینے کی کوشش کر رہا ہے، جیسا کہ یہودی وزیرِ دفاع نے ایک بیان دیا تھا؟ اور آخر مسلمان یہ کیوں نہیں سمجھ پا رہے کہ وہ اسلامی ریاست، یعنی خلافتِ راشدہ ہی ہوگی جو ٹرمپ اور اس کے پیروکاروں کو اسی طرح مٹا دے گی جس طرح خلافت نے رومی شہنشاہوں اور فارسی بادشاہوں کا خاتمہ کیا تھا، اور یوں ان کی سازشوں کو انہی پر الٹ دے گی تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو اور کفر و کافر فنا ہو جائیں؟

**جواب:**

مذکورہ بالا سوالات کے تینوں حصوں کے جواب کی وضاحت کے لئے ہم درج ذیل نکات کا جائزہ لیں گے:

*** اول: سوال کا پہلا حصہ، جو اس بات سے متعلق ہے کہ ٹرمپ کا مقصد ایران کو ایک تابع ریاست بنانا ہے، یا ایسی ریاست جسے وہ اپنے اثر و رسوخ کے مدار میں ہی رکھنا چاہتا ہے، یا پھر اسے ایک ایسی ریاست بننے دے جو خود مختار ہو کر ابھرے: ***

1- 28 فروری، 2026ء بروز ہفتہ کی صبح کو، امریکی صدر ٹرمپ نے اپنے ٹروتھ سوشل پلیٹ فارم پر ایک ویڈیو پوسٹ کی جس میں اس نے اعلان کیا کہ مشرقِ وسطیٰ میں اس کی افواج نے ایران کے خلاف بڑے پیمانے پر جنگی کارروائیوں کا آغاز کر دیا ہے۔ ٹرمپ کے

ساتھ اس کا قریبی اتحادی، نیتن یاہو بھی شامل ہو گیا۔ اس اقدام سے امریکہ کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے ایران بالخصوص پاسدارانِ انقلاب کے اندر سخت گیر موقف ظاہر ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ نے ایران سے اہم ترین معاملات پر رضامندی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے تاکہ اسے ایک ایسی ریاست میں بدل دیا جائے جو مکمل طور پر امریکہ کی تابع فرمان ہو، نہ کہ محض امریکی دائرۂ اثر کے مدار میں گردش کرنے والی ریاست ہو۔ ایرانی لیڈران کا قتل کر دیا جانا اور ایران کو امریکی مدار میں ہی برقرار رکھنا، غالب امکان یہی ہے کہ اب ایسا ممکن ہونا نہیں۔ امریکہ نے ایران پر اس لئے جنگ نہیں کی کہ اسے اپنے دائرۂ اثر سے نکال کر ایک آزاد ریاست کی طرح چھوڑ دے، بلکہ اسے یقین تھا کہ وہ ابتدائی دھچکا دینے کے ساتھ ہی اس پر تیزی سے غالب ہو جائے گا اور اسے ایک مکمل تابع فرمان ریاست بنا دے گا۔ اس بات کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے یعنی کہ ٹرمپ انتظامیہ، ایرانی حکومت کے اندر موجود بعض عناصر کے ساتھ مکمل رابطہ اور ہم آہنگی میں تھی، تاکہ پہلا ہی جھٹکا دیئے جانے کے فوراً بعد، یعنی اعلیٰ سطحی قیادت کے قتل ہو جانے کے بعد، فوراً اقتدار پر قابو پایا جاسکے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا! اور پاسدارانِ انقلاب اپنا کنٹرول برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔ اسی لئے ٹرمپ اور یہودی وجود اس بات پر حیران رہ گئے کہ ایران میں حکومتی نظام متحد رہا اور وہ بھرپور شدت اور حیرت انگیز دلیری کے ساتھ میزائل اور ڈرون داغ رہے تھے۔ ایران کی جانب سے کئے جانے والے حملوں میں یہودی وجود کو اور خلیج وخطے میں موجود امریکی اڈوں کو نشانہ بنایا گیا۔ ٹرمپ نے بیان دیا کہ کچھ ایسے لوگ جن کے بارے میں اسے امید تھی کہ وہ اقتدار سنبھالیں گے، وہ نادانستہ طور پر مارے گئے ہیں! امریکہ نے یہ سمجھا کہ ایران کا یہ شدید ردعمل سپریم لیڈر کے قتل ہو جانے کے بعد بعض لیڈران کے جذباتی فیصلوں کا نتیجہ ہے، اور اس لئے امریکہ نے ایک نئے لیڈر کے تقرر ہو جانے کا انتظار کیا۔ تاہم مجتبیٰ کی اپنے والد کے جانشین کے طور پر تقرری کے بعد اور کئی ہفتے گزر جانے کے بعد، ایران میں نظام حکومت ان لوگوں کے کنٹرول میں مستحکم ہو گیا ہے جو امریکہ کے مخالف ہیں، خاص طور پر جب سے اس (امریکہ) کی جارحیت تمام حدیں عبور کر چکی تھی۔

2- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور یہودی وجود کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ جب انہوں نے ایران کے خلاف اپنی جارحیت کا آغاز کیا تو انہوں نے جنگ کے لئے ایک مختصر عرصہ مقرر کیا تھا جس کا اندازہ چار دن لگایا گیا تھا؛ جس میں ایک بڑے اور بھرپور حملے کے ذریعے ایران کی اعلیٰ قیادت، جوہری تنصیبات، میزائل فیکٹریوں اور لانچنگ سائٹس کو نشانہ بنانا شامل تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جیسے ہی حکومت کی اعلیٰ قیادت اور پہلی صفوں کے لیڈران نشانہ بنیں گے، تو دوسرے درجہ کے قائدین خود بخود ہار مان لیں گے اور ان کی شرائط مان لیں گے، جیسا کہ وینزویلا میں ہوا تھا کہ جب امریکی افواج نے اس کے صدر کو اغوا کر لیا تو نائب صدر اور ان کے ساتھیوں نے امریکہ کے سامنے سرنڈر کر دیا تھا۔ تاہم، ایران میں سپریم لیڈر علی خامنہ ای اور بعض دیگر اعلیٰ رہنماؤں کے قتل کے بعد ایسا نہیں ہوا۔ پاسدارانِ انقلاب ڈٹے رہے اور انہوں نے اس جارحیت کا مقابلہ کرنے اور دشمنوں پر جوابی حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ نتیجتاً، امریکہ اور

ایران کے درمیان ایک واضح دراڑ پیدا ہو گئی، حالانکہ ایران پہلے امریکہ کے مدار میں ہی گردش کر رہا تھا۔ اور امریکہ تو اسی تعلق کو تبدیل کرنا چاہتا تھا؛ ورنہ وہ یہ جارحیت شروع ہی نہ کرتا اور نہ ہی یہودی وجود کو یہ اجازت دیتا کہ وہ سپریم لیڈر سمیت ایرانی حکومت کی اہم ترین شخصیات کو قتل کر دے۔ یہ عوامل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ امریکہ کا مقصد ایرانی حکومت کی پالیسی کو ایک سیٹلائٹ ریاست (مدار میں گھومنے والی) سے بدل کر ایک مکمل تابعدار ریاست بنانا تھا، تاکہ وہ ایران کے ساتھ مذاکرات میں اپنی شرائط منوا سکے۔ تاہم، امریکہ یہ مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے اور اس نے جنگ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

3- جو حقیقت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ امریکہ کا مقصد ایرانی حکومت کی پالیسیوں کو تبدیل کرنا تھا، اور اسے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ اپنی اعلیٰ قیادت کی بہت سے لیڈران کی ہلاکت کے باوجود یہ حکومت اس جارحیت کے سامنے ڈٹ جائے گی اور جوابی کارروائی کرے گی، وہ امریکہ کے سیکرٹری آف ڈیفنس، 'پیٹ ہیگستھ' (Hegseth) کا 10 مارچ، 2026ء کو دیا گیا یہ بیان ہے: "میں لازماً یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمیں ایسی کوئی توقع تھی کہ وہ بالکل اسی طرح کا کوئی ردعمل دیں گے"۔ اسی طرح، نیویارک ٹائمز نے 12 مارچ 2026ء کو باخبر ذرائع کے حوالے سے رپورٹ کیا کہ ٹرمپ اور اس کے مشیر اس بات پر پُرامید رہے تھے کہ اعلیٰ قیادت کے قتل کے بعد ایسے حقیقت پسند لیڈر ابھر کر آئیں گے جو جنگ ختم کرنے کی کوشش کریں گے، جس کا مطلب امریکہ کے سامنے ہتھیار ڈالنا اور اس کی شرائط کو قبول کرنا تھا! بہر حال جب فوری طور پر ہتھیار ڈالنے کی ان کی امیدیں دم توڑ گئیں، تو ٹرمپ نے اس تنازعے کو حل کرنے کے لئے دو ہفتوں اور شاید چار ہفتوں کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ اس جنگ کو کسی بھی ایسے طریقے سے ختم کرنا چاہتا ہے کہ جس سے وہ فاتح نظر آئے، نہ کہ اسے اس طرح سے ختم کرے کہ جس میں ایسی شکست اور ذلت نظر آتی ہو جیسا کہ 2021ء میں افغانستان سے امریکی افواج کے انخلاء کے وقت امریکہ کو رسوا ہونا پڑا تھا۔ ٹرمپ اس جنگ کو ختم کر دینا چاہتا ہے پیشگی اس کے کہ حالات مزید بگڑ جائیں اور ملکی سطح پر خود اس کی اور اس کی پارٹی کی ساکھ متاثر ہونے لگے، خاص طور پر اس لئے کہ جب اس موسمِ خزاں میں کانگریس کے مڈٹرم انتخابات آ رہے ہیں، اور ان انتخابات میں ناکامی 2028ء میں منعقد ہونے والے صدارتی انتخابات پر منفی اثر ڈالے گی۔ ٹرمپ ایک "زبانی فتح" کا تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے! صدر ٹرمپ نے 11 مارچ، 2026ء کو Axios کو دیئے گئے ایک مختصر فون انٹرویو میں کہا کہ ایران کے ساتھ جنگ "جلد" ہی ختم ہو جائے گی کیونکہ "عملی طور پر نشانہ بنانے کے لئے کچھ باقی نہیں بچا"۔ اس پانچ منٹ کی کال کے دوران ٹرمپ نے کہا، "بس مزید تھوڑا بہت ادھر ادھر... اور میں جب بھی چاہوں گا کہ یہ جنگ ختم ہو جائے، تو یہ ختم ہو جائے گی"۔

ٹرمپ ایسے بیانات دے رہا ہے جو لفظوں کا گورکھ دھندا ہیں گویا کہ وہ جیت چکا ہو۔ بہر حال اس سب سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ امریکہ کی صورتحال متزلزل ہے، کیونکہ وہ فوری طور پر اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکا ہے اور ہونے والے نقصانات اس کے علاوہ ہیں۔

4-اس کے بعد ٹرمپ نے ڈیڈلائنز میں توسیع کرتے ہوئے ایک نئی حکمتِ عملی کا سہارا لیا۔ 22 مارچ کو اس نے 48 گھنٹے کا حتمی الٹی میٹم دیا تھا، پھر 23 مارچ کو "مثبت مذاکرات" کا جواز دے کر اس الٹی میٹم کو پانچ دن تک بڑھا دیا۔ پھر 26 مارچ کو اس نے مزید دس دن کی مہلت کا اعلان کر دیا، جو 6 اپریل 2026ء تک تھی، اور اس کے ساتھ دیگر متضاد بیانات بھی دیئے۔ اس کی حکمتِ عملی ایران پر نفسیاتی اور سیاسی دباؤ ڈال کر اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنا ہے۔ ایران کو دی جانے والی یہ مہلتیں اس فوجی تیاری کے لئے ایک آڑ بھی ہو سکتی ہیں جو امریکہ خطے میں بھیجے گا تاکہ خلیجِ فارس کے خارگ جزیرے (Kharg Island) یا ایران کے خلاف محدود زمینی کارروائی شروع کی جا سکے۔ وہ پہلے بھی سابقہ حملوں میں ایسا کر چکا ہے۔ وہ اس خطے میں نئی کمک بھیجنے کی چال چل رہا ہے، "اطلاعات کے مطابق وائٹ ہاؤس اور امریکی محکمۂ دفاع آئندہ چند روز میں مشرقِ وسطیٰ میں کم از کم 10,000 اضافی جنگی فوجی بھیجنے پر غور کر رہے ہیں..." (MEBA نیوز، 27 مارچ، 2026ء)۔ دوسرے الفاظ میں، یہ ڈیڈلائنز ماضی کی طرح دھوکہ دہی پر مبنی ایک چال ہیں۔

5-ٹرمپ اور اس کی تکبرانہ روش کے سامنے اب صرف وہی راستہ رہ گیا ہے جسے وہ "طاقت کے ذریعے امن" (Peace through strength) کہتا ہے، یعنی جنگ کی آگ میں مذاکرات۔ چنانچہ اس نے 15 نکاتی منصوبہ کا اعلان کیا جو اس نے ایران کو جنگ ختم کرنے کے لئے پاکستان کے ذریعے سے پیش کیا ہے۔ اس منصوبے کی تفصیل کچھ یوں ہے: "ایران کی جمع کردہ نیوکلئیر صلاحیتوں کا مکمل خاتمہ، آئندہ کبھی نیوکلئیر اسلحہ کی خواہش نہ کرنے کا مستقل عہد، ایران کی سرزمین پر یورینیم افزودگی بند کرنا، تمام تر افزودہ کردہ مواد کو ایک مختصر مدت کے اندر اندر انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کے حوالے کرنا، ایران کے علاقوں، نطنز، اصفہان اور فردو کی جوہری تنصیبات کو غیر فعال اور تباہ کرنا، اور ایران کے اندر تمام معلومات کو انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کے لئے دستیاب بنانا؛ اسی طرح نیوکلئیر ایشو، ایران کے لئے اپنی "پراکسی پاور پالیسی" کو ترک کر دینا ہوگا، خطے میں اپنے اتحادیوں کو مالی اور عسکری حمایت بند کرنا ہوگی، آبنائے ہرمز کو سب کے لئے ایک کھلی اور آزاد بحری گزرگاہ رکھنا ہوگا، اور میزائل مسئلے کو بعد میں حل کرتے ہوئے ان کی تعداد اور رینج پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں، اور اس کے علاوہ ان میزائلوں کے استعمال کو صرف "جائز دفاع" کی حد تک محدود کرنا ہوگا" (العربی الجدید، 25

مارچ، 2026ء)۔ اس منصوبے کی شرائط سے صاف واضح ہوتا ہے کہ ٹرمپ کا مقصد ایران کو امریکی مدار میں گردش کرتی ہوئی ایک "سیٹلائٹ اسٹیٹ" کی حیثیت سے ہٹا کر اسے ایک ایسی تابع فرمان ریاست میں تبدیل کرنا ہے جو امریکہ کے تمام احکامات پر من و عن عملدرآمد کرتی ہو۔ حتیٰ کہ انٹرنیشنل پریس نے بھی اس 15 نکاتی منصوبہ کو ایک "سرنڈر" دستاویز قرار دیا ہے، یعنی ایک ایسا معاہدہ جو ایران کو مکمل طور پر ایک غلام ریاست میں بدل دیتا ہے۔ "تاہم، پاکستان کے ذریعے ٹرمپ انتظامیہ کی جانب سے پیش کیا گیا منصوبہ، دراصل سرنڈر کر دینے کی ایک دستاویز ہی ہے" (دوحہ انسٹی ٹیوٹ، 26 مارچ، 2026ء)۔ ٹرمپ نے 24 مارچ، 2026ء کو اپنے پسندیدہ فیلڈ مارشل، پاکستانی آرمی چیف جنرل عاصم منیر سے فون پر رابطہ کیا اور انہیں زور دیا کہ وہ ایران کو ٹرمپ کی شرائط پر یہ معاہدہ قبول کرنے پر مجبور کریں۔ تاہم وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایران نے اس منصوبے کو سرکاری ٹیلی ویژن پر مسترد کر دیا، جو اس کے اس انکار کی علامت ہے کہ وہ ایک غلام ریاست بننے سے انکار کر رہا ہے۔ اس کے جواب میں ایران نے خود اپنا پانچ نکاتی منصوبہ پیش کیا، جس میں شامل تھا کہ: "ایرانی حکام کے خلاف قاتلانہ حملوں کا خاتمہ، نئی جنگ نہ چھڑنے کی ضمانتیں، جنگی تاوان کی ادائیگی، دشمنی کا خاتمہ، آبنائے ہرمز پر ایران کی خودمختاری کا اعتراف" (یورونیوز، 25 مارچ، 2026ء)۔ اگرچہ ایران کی یہ پیشکش نیوکلیئر اسلحہ یا میزائلوں کے مسئلے کو براہِ راست حل نہیں کرتی، لیکن یہ امریکی 15 نکاتی منصوبے کی توقعات پر بھی پورا نہیں اترتی۔ یوں اس طرح مذاکرات تعطل کا شکار ہو گئے۔

**6-** اس کے باوجود، گرچہ خفیہ طور پر ہی سہی لیکن رابطے جاری رہے۔ ایرانی وزیرِ خارجہ عباس عراقچی نے 31 مارچ، 2026ء کو الجزیرہ کو ایک انٹرویو میں کہا کہ: "جو کچھ اس وقت ہو رہا ہے وہ نہ تو براہِ راست مذاکرات ہیں اور نہ ہی کسی ثالث کے ذریعے مذاکرات۔ وہ پہلے کی طرح اب بھی امریکی نمائندے وِٹکوف (Wittkov) سے براہِ راست پیغامات وصول کر رہے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مذاکرات کر رہے ہیں۔ ایران میں کسی مخصوص فریق کے ساتھ مذاکرات کے دعوے میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ پیغامات وزارتِ خارجہ کے ذریعے پہنچائے جا رہے ہیں، اور سکیورٹی اداروں کے درمیان بھی رابطے ہیں... جو قومی سلامتی کونسل کی نگرانی میں ہو رہے ہیں"۔ انہوں نے مزید کہا: "ہم نے مذاکرات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا اور ہمیں اس پر تحفظات ہیں۔ جنگ کے خاتمے کے لئے ہماری شرائط واضح ہیں۔ ہم جنگ بندی کو قبول نہیں کریں گے، بلکہ ہم مکمل طور پر دشمنی کے خاتمے کے خواہاں ہیں، نہ صرف ایران میں بلکہ پورے خطے میں"۔ انہوں نے یہ بھی کہا: "ایران کی شرائط میں یہ شامل ہے کہ اس بات کی ضمانت دی جائے کہ دوبارہ

حملے نہ کیئے جائیں گے، اور معاوضہ کی صورت میں نقصانات کی تلافی کی جائے"۔ یہ بیان دوغلا پن ظاہر کرتا ہے؛یعنی رابطے بھی موجود ہیں لیکن مذاکرات بھی نہیں ہو رہے! بہرحال، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایرانی حکومت کے اندر ایسے عناصر موجود ہیں جو مذاکرات کے لئے آمادہ ہیں، اور امریکہ کسی بھی وقت جنگ روک کر مذاکرات شروع کر سکتا ہے، کیونکہ امریکہ اور ایرانی حکومت، دونوں کے درمیان بات چیت جاری ہے جیسا کہ عراقچی نے ذکر کیا ہے۔ البتہ پاسدارانِ انقلاب حکومتی عہدیداروں کے مقابلے میں زیادہ سخت مؤقف رکھتے ہیں۔ وہ خلیج، اردگرد کے خطے اور مقبوضہ علاقوں میں امریکی اثاثوں پر حملے جاری رکھے ہوئے ہیں اور مذاکرات سے انکار کر رہے ہیں۔

**7**–سابقہ نکات پر غور و فکر کے بعد، سوال کے پہلے حصہ کے بارے میں نتیجہ درج ذیل ہے:

**الف**– پاسدارانِ انقلاب کوشش کر رہے ہیں کہ ایران کو امریکی اثر و رسوخ سے آزاد کرایا جائے اور اسے دوبارہ امریکی دائرۂ اثر میں جانے سے روکا جائے، بلکہ اسے ایک خود مختار ریاست کے طور پر قائم کیا جائے: "ایرانی پاسدارانِ انقلاب: آبنائے ہرمز میں دشمن کی کسی بھی کارروائی کا بحری افواج کی جانب سے منہ توڑ جواب دیا جائے گا"(MTV لبنان، 4 مارچ، 2026ء)... "ایرانی پاسدارانِ انقلاب کے ترجمان ابراہیم ذوالفقاری نے جمعرات کو تصدیق کی کہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک دشمن ذلیل ہو کر ہتھیار نہیں ڈال دیتا، اور انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ حملے مزید شدت اور وسعت کے ساتھ جاری رہیں گے"(الایام نیوز، 2 اپریل، 2026ء)... "ایرانی پاسدارانِ انقلاب نے بدھ کے روز تصدیق کی کہ اہم اسٹریٹجک آبنائے ہرمز ملک کے دشمنوں کے لئے بند رہے گی، جبکہ ٹرمپ نے کہا کہ وہ جنگ بندی پر اس وقت تک غور نہیں کریں گے جب تک اسے دوبارہ کھول نہ دیا جائے"(اخبار الیوم، یکم اپریل، 2026ء)... پاسدارانِ انقلاب نے اپنے ٹیلیگرام چینل کے ذریعے کہا: "آج کے بعد سے اب ہر قاتلانہ حملے کے بدلے میں ایک امریکی کمپنی کو تباہ کیا جائے گا"(العربیہ نیٹ، یکم اپریل، 2026ء)

**ب**– پاسدارانِ انقلاب کے برعکس، ایران میں سرکاری حکام درمیانی کیفیت میں اور تذبذب کا شکار ہیں، اور ان کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ اگر ممکن ہو تو ایران امریکی دائرۂ اثر میں ہی برقرار رہے۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ ایران امریکہ کی ایک تابع فرمان ریاست بن جائے، جیسا کہ خطے کے بہت سے ممالک ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ٹرمپ کو ایران میں بات چیت کے لئے مناسب افراد میسر ہیں: "امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے منگل کی شام کہا کہ "ہم درحقیقت صحیح افراد سے بات کر رہے ہیں"، اور جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو امریکہ سے بات کر رہے ہیں، تو ٹرمپ نے جواب دیا کہ "وہ اس لئے تفصیل نہیں بتانا چاہتے کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے..." (فرانس-24 انگلش، 23 مارچ، 2026ء)... ایک پاکستانی ذرائع نے رائٹرز کو بتایا کہ اسرائیل نے عارضی طور پر وزیر خارجہ عباس عراقچی اور پارلیمنٹ کے اسپیکر محمد باقر قالیباف کو اپنے قتل کے ہدف کی فہرست سے نکال دیا ہے، جب پاکستان نے واشنگٹن سے درخواست کی کہ انہیں نشانہ نہ بنایا جائے، اور انہیں بتایا کہ "اگر انہیں بھی ختم کر دیا گیا تو بات چیت کرنے کے لئے کوئی بھی باقی نہ رہے گا" (الجزیرہ نیٹ عربیہ، 26 مارچ، 2026ء)

ج- جہاں تک ٹرمپ کا تعلق ہے، تو اس جنگ میں اس کا مقصد یہ ہے کہ ایران اس کا تابع بن جائے، اس کے احکامات کی تعمیل کرے، ایران کے تیل و گیس پر اس کا کنٹرول ہو، اور آبنائے ہرمز پر کنٹرول اور اثر و رسوخ میں اس کا بڑا حصہ شامل ہو! امریکہ اس انداز میں جنگ چاہتا ہے کہ جس سے اس کے زیادہ سے زیادہ اہداف حاصل ہو سکیں۔ وہ ایران میں توانائی کی تنصیبات پر حملوں کے ذریعے کشیدگی بڑھانے کا راستہ اختیار کر سکتا ہے، چاہے ایران جواب میں خلیجی ممالک کی توانائی کی تنصیبات کو نشانہ بنائے اور تیل کی فی بیرل قیمت بلند ترین سطح تک پہنچ جائے۔ امریکہ آبنائے ہرمز کو کھلوائے بغیر اس کی ناکہ بندی کر سکتا ہے یعنی ایرانی آئل ٹینکرز کو روک کر یا پھر ان جہازوں کو روک کر جنہیں ایران نے بحیرۂ عرب سے گزرنے کی اجازت دے دی ہو۔

**بہر حال ایران کو اپنی غلامی میں لے آنے کے ٹرمپ کے خواب اس وقت تک ختم نہیں ہوں گے جب تک ایران کی حکومت کے اندر اس کے کارندے موجود ہیں... اور اگر ان لوگوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا، تو ٹرمپ کے خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائیں گے۔**

تاہم، اگر جنگ کی صورتحال کے باعث ان لوگوں سے وابستہ ٹرمپ کی امیدیں دم توڑ گئیں، اور پاسدارانِ انقلاب عسکری طور پر مضبوط رہے اور انہوں نے ملک میں دوبارہ اتحاد و یگانگت پیدا کر دی، تو ایران آزادی کی طرف بڑھے گا، کیونکہ یہ جنگ ایران کو امریکہ کے مدار میں رکھنے والی آخری کڑی کو بھی توڑ چکی ہو گی۔

**دوئم: سوال کا دوسرا حصہ لبنان کے بارے میں ہے اور یہ کہ کیا "یہودی وجود" امریکہ کی منظوری سے جنوب کے علاقہ کو دریائے لیطانی تک ضم کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟**

1- لبنان کے بارے میں، الجزیرہ عربی نے 26 مارچ، 2026ء کو ذرائع کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ کیا کہ: "ایران نے ثالثوں کو آگاہ کیا ہے کہ کسی بھی جنگ بندی میں لبنان کو بھی لازماً شامل ہونا چاہیے"۔ 24 مارچ 2026ء کو اسرائیل کے وزیرِ دفاع، اسرائیل کاتز (Israel Katz) نے اعلان کیا کہ ان کی افواج جنوبی لبنان میں دریائے لیطانی تک کے علاقے پر کنٹرول حاصل کریں گی، اور کہا: "بے گھر ہونے والے رہائشی اس وقت تک دریائے لیطانی کے جنوب میں واپس نہیں آئیں گے جب تک شمالی اسرائیل کے رہائشیوں کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاتی"۔ اس نے مزید کہا، "اس کی افواج نے حزب اللہ کے زیرِ استعمال دریائے لیطانی پر موجود تمام پانچوں پل تباہ کر دیئے ہیں... اور وہ باقی ماندہ پلوں کو کنٹرول کریں گی اور دریائے لیطانی تک پھیلا ہوا ایک سکیورٹی زون قائم کریں گی" (الشرق الاوسط، 24 مارچ، 2026ء)۔ 19 مارچ، 2026ء کو لبنان کے وزیرِ اعظم نے CNN کو بتایا کہ انہوں نے ٹرمپ کو ایک پیغام بھیجا ہے: "میں صدر ٹرمپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اسرائیلی فریق کے ساتھ فوری مذاکرات شروع کرنے کے لئے تیار ہیں"۔

2- لہٰذا، یہودی وجود کے بیانات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جنوبی لبنان میں دریائے لیطانی تک ایک بفر زون قائم کیا جائے گا، اور اس علاقے کو اس کے لبنانی باشندوں سے خالی کرانے کی بات کی جا رہی ہے۔ جنوب میں مزاحمت کی وجہ سے یہودی وجود کی فوج کے لئے یہ ہدف حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔ مزید برآں، چونکہ یہود نے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ سے تو پہلے ہی اپنا ناطہ توڑ لیا ہے اور اب ان کے پاس اگر لوگوں (مغرب، امریکہ اور مسلمانوں کے غدار حکمرانوں) کا سہارا نہ ہو تو یہ وجود لڑنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ چنانچہ اگر امریکہ کی جارحیت ختم ہو جائے، تو یہود کا وجود خود بخود ہی ختم ہو جائے گا۔

**سوئم: سوال کا تیسرا حصہ خلافت سے متعلق ہے، جو کہ ایک ایسی ریاست ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی عزت و وقار کو بحال کرے گی اور کفر و کفار کو ذلیل و رسوا کر دے گی:**

1- اسلامی ممالک کے حکمرانوں میں کوئی خیر باقی نہیں رہی، اس لئے یہ بعید از قیاس ہے کہ وہ دوبارہ راہِ راست پر آ جائیں۔ اس لئے بھروسہ صرف اس امتِ مسلمہ پر ہی کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ ایک ریاست قائم کر لے اور پھر وہ سب ایک ہی ریاست میں متحد ہو جائیں جو خلافتِ راشدہ کی صورت میں ایک باشعور سیاسی قیادت کے تحت ہو، جس کا ارادہ مضبوط اور غیر متزلزل ہو۔ امت مسلمہ کے کارنامے تاریخ کے صفحات میں بھرے پڑے ہیں؛ انہوں نے چند ہی برسوں میں دو عظیم ترین سلطنتوں، فارس اور روم، کو شکست دی۔ وہ مشرق و مغرب میں اپنی فتوحات جاری رکھتے رہے یہاں تک کہ اقوام نے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور بڑے بڑے عظیم لشکر بھی ان کے سامنے مغلوب ہو کر رہ گئے۔ بادشاہوں، شہنشاہوں اور حکمرانوں کے تاج ان کے قدموں میں آ گرے۔ یہی انجام امریکہ کا بھی ہو گا جو اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کے اذن سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا اور اپنی فوجی چھاؤنیاں بند کرنے اور بحرِ اوقیانوس کے پار اپنی افواج کو واپس بلانے پر مجبور ہو جائے گا، جبکہ وہ شکست اور ذلت و رسوائی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ یوں ٹرمپ اور اس جیسے لوگ ذلیل و خوار ہوں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُواْ سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ **"کہہ دو ان کافروں سے کہ تم ضرور مغلوب کیے جاؤ گے اور تم جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے"**۔ (سورۃ آل عمران؛3:12)

2- یہ بات درست ہے کہ ایران خلیج میں امریکی فوجی اڈوں پر حملے کر رہا ہے، اور یہ بھی سچ ہے کہ ایران نے یہودی وجود کے خلاف بھی اسی طرح کے حملے کئے ہیں۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان حملوں میں کافی حد تک قوت و طاقت کا عنصر موجود ہے۔ تاہم، ایران کے حکمران اس وقت تک امریکہ کو شکست دے کر اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور نہیں کر سکتے، جب تک کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کی مدد کرتے ہوئے اور اس کے احکامات نافذ کرتے ہوئے خلافت کو قائم نہ کر دیا جائے، اور یوں اللہ جَلَّ جَلَالُہُ کے اذن سے فتح حاصل ہو جائے گی۔ خلافت اپنے عدل و انصاف اور جہاد سے دنیا کو منور کر دے گی، اور اللہ اسے اپنی نصرت سے نوازے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ **"اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا"** (سورۃ محمد؛47:7)۔ تب خلافت امریکہ کو ایک کے بعد ایک ایسا سبق سکھائے گی کہ اس کی اصل حقیقت فاش ہو جائے گی۔ امریکہ اس وقت مسلمانوں سے ان کی اپنے علاقوں پر اور ان کے علاقوں کے اندر موجود فضائی اڈوں سے جنگ لڑ رہا ہے، اور وہ یہودی وجود پر ہونے والے حملوں کو روکنے کے لئے اپنے ایجنٹوں کا استعمال کر رہا ہے۔ خلافت ان ایجنٹوں کے مضبوط ٹھکانوں کو روند ڈالے گی اور

انہیں ہر ممکن طریقے سے سخت شکست دے کر نکال باہر کرے گی، اور خلافت مسلمانوں کی عوام کو اپنے ساتھ شامل کر کے اپنی قوت میں اضافہ کرے گی، یہاں تک کہ وہ ایک زبردست سیلابی ریلا کی مانند بن جائے گی جو امریکہ کے ان اڈوں تک کو بہالے جائے گا جو مسلم ممالک سے باہر ہیں۔ پھر ایک عظیم سیلاب برپا ہو گا جو اپنی راہ میں آنے والے حکمرانوں کے تخت الٹ دے گا، فلسطین کو آزاد کرائے گا اور یہودی وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔ یہودی وجود فنا ہو جائے گا اور اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کے اذن سے یہ حاصل کرنا بہت آسان ہے، اگرچہ بہت سے لوگ اسے محض ایک خواب سمجھتے ہیں۔ امتِ مسلمہ ایک طاقتور اور متحرک عقیدہ رکھتی ہے جو ایک عظیم دریا کی مانند ہے، اور یہ امت امریکہ اور یہود کے خلاف ان کے شدید اور وسیع مظالم کی وجہ سے گہرا غصہ اور نفرت رکھتی ہے۔ فتح کے یہ مناظر اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ کے اذن سے بالکل بھی دور نہیں ہیں، جب اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ اپنی عظیم کامیابی عطا فرما دے گا۔ شاید اس کے بعد امتِ مسلمہ جو کچھ حاصل کرے گی اور میدانِ جنگ جو پکار پکار کر کہیں گے، وہ بیان سے بالاتر ہو گا۔ اللہ جَلَّ جَلَالَہٗ نے اس دنیا کے لئے اپنی سنت (اٹل قانون) قائم کر رکھی ہے، جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے: **﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ "اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے"** (سورۃ الروم؛30:47)

**17 شوال، 1447ھ**

**بمطابق، 04 اپریل، 2026ء**

فہرست

# ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ کے اثرات: کیا یہ ڈالر کی بالادستی کو بحال کرنا ہے یا امریکہ کے لئے اپنی قبر کھودنے کے مترادف ہے؟!

اُستاذ مناجي محمد

امریکی ڈالر کو بلاشبہ امریکہ کا سب سے مؤثر اسٹریٹجک ہتھیار کہا جاسکتا ہے، جس کے ذریعے اس نے عالمی معیشت کی کرنسی کے طور پر اپنے ڈالر کو مسلط کر کے اپنی عالمی بالادستی کو وسعت دے رکھی ہے۔ پیٹروڈالر (petrodollar) پالیسی نے ڈالر کو تیل کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے امریکی ڈالر کو عالمی کرنسی کے طور پر مستحکم اور مضبوط بنانے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا کیونکہ تیل پیداوار اور کھپت دونوں طرح کی معاشی سرگرمیوں کے لئے ایک محرک اور رگوں میں دوڑتے خون کی مانند ہے۔ پیٹرو ڈالر کی اس پالیسی کے ذریعے امریکی ڈالر کو عالمی کرنسی کے طور پر مستحکم بنانے کا یہ منصوبہ عالمی سطح پر تیل کی قیمتوں اور قدر کو ڈالر میں مقرر کر کے حاصل کیا گیا۔ 1974-1975ء کے دوران نکسن اور فیصل بن عبدالعزیز آل سعود کے درمیان ہونے والے معاہدے پیٹرو ڈالر پالیسی کا سنگِ بنیاد ثابت ہوئے۔ اس معاہدے کا خلاصہ یہ تھا کہ خلیجی تیل کی زیادہ تر فروخت ڈالر میں کی جائے گی، اور اس کے بدلے امریکہ خلیجی ریاستوں اور ان کے حکمرانوں کو فوجی تحفظ فراہم کرے گا۔ اس معاہدے کے نتیجے میں امریکی ڈالر کی عالمی طلب کو یقینی بنایا گیا اور اسے نہ صرف ایک عالمی کرنسی کے طور پر بلکہ قومی خزانے اور مرکزی بینکوں کے لئے بھی ایک ریزرو کرنسی کی حیثیت دے دی گئی۔ جہاں تک خلیجی ریاستوں اور دیگر تیل پیدا کرنے والے ممالک کا تعلق ہے، ان کے تیل سے حاصل ہونے والے ڈالر امریکی ٹریژری بانڈز میں سرمایہ کاری کی آڑ میں مسلسل اسلحہ کے سودوں اور امریکی خسارے کی مالی معاونت میں استعمال ہوتے رہے۔ اور یوں اس طرح امریکہ نے اپنے ڈالر کے ذریعے عالمی معیشت پر اپنی بالادستی کو مزید مضبوط کر لیا۔

اور آج ایران کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں آبنائے ہرمز کی بندش، توانائی کے بحران اور تیسری دنیا کے ممالک میں شمار کی جانے والی ایک ایسی ریاست، جس کی طاقت کو درمیانے درجہ کا سمجھا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں ٹرمپ کی اسٹریٹجک اور عسکری مشکلات نے کئی سلگتے ہوئے سوالات کو جنم دیا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہی ایران کی جنگ کے حوالے سے امریکہ کی سربراہی میں چلنے والے انٹرنیشنل آرڈر اور امریکی بالادستی پر پڑنے والے اثرات کے بارے میں مختلف تجزیے بھی سامنے آرہے ہیں۔

امریکہ کی ایران کے خلاف جنگ کی پیش رفت، آبنائے ہرمز کی بندش، اور اس کے نتیجے میں توانائی، خام مال اور کھادوں کی سطح پر پیدا ہونے والے بحران نے بین الاقوامی منظرنامے اور عالمی معیشت کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کئی اہم سوالات بھی ابھر کر صفحۂ اول پر آ گئے ہیں کہ اس جنگ کے حوالے سے جیو اسٹریٹجک توازن، امریکی عالمی نظام، بین الاقوامی مؤقف، اور عالمی معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، اور ان سب کے نتیجے میں دورِ حاظر کی سرکردہ طاقت امریکہ، جو کہ عالمی نظام کی قیادت کرتا ہے اور اسے مرتب بھی کرتا ہے، اس پر کیا اثر پڑے گا۔

تاہم آبنائے ہرمز کی بندش کے نتیجے میں توانائی، خام مال اور کھادوں کا بحران پیدا ہو جانے کے باعث معاشی عنصر غالب آ گیا، اور اس بحران کے فوری اور تباہ کن اثرات عالمی معیشت اور بین الاقوامی منظرنامے پر چھا گئے۔ اس کے نتیجے میں امریکہ کی ایران کے خلاف جنگ کے طویل المدتی اسٹریٹجک اور جیو اسٹریٹجک اثرات کی اہمیت ثانوی حیثیت اختیار کر گئی۔

اور پھر اب امریکہ کی ایران کے خلاف جنگ کے اثرات کے بارے میں مختلف تجزیے سامنے آ گئے ہیں۔ ان میں سے بعض تجزیے خالصتاً معاشی نوعیت کے تھے، جو خاص طور پر اس جنگ کے اثرات کے اقتصادی اور مالیاتی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کئے ہوئے تھے۔ ان تجزیہ جات میں بڑی معیشتوں، خصوصاً خود امریکہ، یورپ اور چین، جو کہ بڑی عالمی معیشتوں کے طور پر جانی جاتی ہیں، ان پر آبنائے ہرمز کی بندش کے نتیجے میں پیدا ہونے والے توانائی بحران اور اس سے آنے والے معاشی جھٹکوں کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے علاوہ، ان تجزیوں میں ایک منطقی اور تکنیکی نوعیت کا تجزیہ بھی پیش کیا گیا، جو جیو اسٹریٹجک میدان کی پیچیدگیوں سے ہٹ کر تھا، اور اس تجزیہ میں اس جنگ اور ٹرمپ کی ان مشکلات کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا، جو ٹرمپ کی جانب سے ایران میں وینزویلا جیسا منظرنامہ دہرانے، جنگ کو فیصلہ کن طور پر جیتنے، اور ایرانی مسئلے کو ختم کرنے میں ناکامی کے باعث پیدا ہوئیں۔ امریکی توقعات کے برعکس، اس جنگ نے ایسے رخ اختیار کر لئے جو ٹرمپ انتظامیہ کے مقاصد کے خلاف تھے، اور وقت گزرنے کے ساتھ یہ جنگ ایک اسٹریٹجک تنزلی کے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ تاہم، زیادہ تر یہ تجزیے جنگ کے ابتدائی معاشی اشاریوں پر انحصار کر رہے تھے، جیسے ڈالر انڈیکس میں اضافہ اور امریکی آئل اینڈ گیس پروڈیوسرز کے لئے توانائی کی قیمتوں میں اضافہ۔ اس بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا کہ اس جنگ اور توانائی بحران کا اصل فائدہ امریکہ اور اس کے بحال شدہ ڈالر کو ہوا، جبکہ یورپ اور چین مختلف سطح تک متاثر ہوئے۔ اور پیٹرو ڈالر کے تناظر میں ایک سادہ منطقی و تکنیکی نتیجہ یہ نکالا گیا کہ توانائی کا بحران اور اس کے معاشی اثرات ڈالر کو مستحکم کرنے کے لئے اور اس کی

بالادستی کی بحالی کے لئے معاون ثابت ہورہے ہیں، اور اس کے ساتھ لامحالہ طور پر امریکی بالادستی بھی مضبوط ہورہی ہے۔ لیکن یہ جنگ جو کہ اب دوسرے مہینے میں داخل ہو چکی ہے، اس جنگ کے ساتھ جڑی ہوئی جیو اسٹریٹجک اور اسٹریٹجک پیچیدگیاں اور کوتاہیاں اس بات کی متقاضی ہیں کہ صورتِ حال کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے۔ نئے سرے سے یہ جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ نئے ابھرتے اور بدلتے ہوئے حالات، طویل المدتی جیو اسٹریٹجک پہلو، اور حتیٰ کہ قلیل المدتی معاشی اثرات کو بھی مدنظر رکھا جائے، جو امریکی معیشت، ریاست اور امریکی معاشرے پر مرتب ہورہے ہیں۔ بلکہ امریکہ کی معیشت، ریاست اور معاشرے پر قلیل المدتی اقتصادی نتائج کی حقیقی نوعیت کو گہرائی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر اس اسٹریٹجک اور جیو اسٹریٹجک بحران کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو ایران کے خلاف جنگ میں امریکہ کی فوجی اور اسٹریٹجک ناکامی، اور ٹرمپ اور اس کی انتظامیہ کی جانب سے اس جنگ کو سنبھالنے میں پیدا ہونے والی الجھن اور مشکل کی صورت میں سامنے آیا ہے۔

ایران کے خلاف ٹرمپ کی مہم کی فوجی ناکامی کے نتیجے میں پیدا ہونے والا اسٹریٹجک اور جیو اسٹریٹجک بحران ایک اہم تاریخی موڑ ثابت ہوا، جس نے اس امریکی عسکری طاقت کی اوقات کو آزمایا جس پر امریکہ کو خود بہت ناز تھا۔ خلیج میں موجود امریکی اڈے غیر محفوظ نشانہ بن کر رہ گئے، اور سیٹلائٹ تصاویر سے یہ بات سامنے آئی کہ ایرانی حملوں کے باعث کئی اڈوں کو خالی کرنا پڑا۔ اس جنگ نے امریکہ کو درپیش اسٹریٹجک جمود اور ٹرمپ اور اس کی انتظامیہ کی حکمتِ عملی کے اندھے پن کو بھی بے نقاب کیا۔ آبنائے ہرمز کی بندش کوئی غیر متوقع یا غیر معمولی اسٹریٹجک واقعہ نہیں تھا، بلکہ ایسا ہونا تو عین ممکن تھا اور یہ ایک متوقع حقیقت تھی۔ تاہم، ٹرمپ کے غیر متوازن اور غیر یقینی طرزِ عمل نے اسے اس مشکل میں دھکیل دیا، اور آج وہ چین اور یورپ کی منتیں کر رہا ہے کہ وہ اس آبنائے کو دوبارہ کھلوانے کے لئے ایک اتحاد تشکیل دے دیں۔ جب ٹرمپ خلیجی ریاستوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں ناکام ہو گیا کہ وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ایک مسودۂ قرارداد پیش کریں، تو بحرین نے ایک تجویز پیش کی، جس میں آبنائے ہرمز میں جہازرانی کے تحفظ کے لئے طاقت کے استعمال کی اجازت طلب کی گئی تھی۔ تاہم روس، چین اور فرانس نے کھل کر اس کی مخالفت کی۔ اخبار نیویارک ٹائمز کے مطابق ایک سفارتکار اور اقوام متحدہ کے ایک عہدیدار نے بتایا کہ روس، چین اور فرانس نے عملی طور پر عرب ممالک کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا جس کا مقصد سلامتی کونسل سے ایران کے خلاف فوجی کارروائی کی اجازت حاصل کرنا تھا تاکہ آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھولا جا سکے۔ ان ممالک نے کسی بھی ایسے مسودے کی مخالفت کی جس میں طاقت کے استعمال کی اجازت دی

جائے۔ اور روس نے اس قرارداد کو جانبدارانہ قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت کی۔ درحقیقت ٹرمپ کی اسٹریٹجک پالیسی کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ اس کی جنگ کا مقصد اب آبنائے ہرمز کو کھولنا بن گیا ہے، حالانکہ اس جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی یہ گزرگاہ کھلی ہوئی تھی!

امریکہ کی جانب سے ایران کے خلاف اس حالیہ جنگ اور اس کے نتیجے میں آبنائے ہرمز کی بندش، اور اس کے بعد امریکہ کے لئے پیدا ہونے والی اسٹریٹجک اور جیو اسٹریٹجک مشکلات کی اس صورتحال کے ساتھ ایک حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے، جو 1950ء کی دہائی میں نہرِ سویز کی جنگ کے دوران پیدا ہونے بحران کی صورتحال میں برطانیہ کو درپیش رہی تھی۔ امریکی جریدے، دی نیو یارکر (The New Yorker) کے 30 مارچ، 2026ء کے شمارے کے لئے لکھتے ہوئے خارجہ امور کے صحافی، اشان تھرور (Ishaan Tharoor) نے اپنے ایک مضمون، بعنوان "Trump, Iran, and the Shadow of Suez" یعنی "ٹرمپ، ایران، اور سویز کا سایہ" میں لکھا ہے کہ: "جیسے جیسے ایران آبنائے ہرمز پر گرفت مضبوط کر کے عالمی معیشت کو دباؤ میں لے رہا ہے، تو ٹرمپ کو ایک ایسے بحران کا سامنا کر پڑ رہا ہے جو تاریخ کی نمایاں ترین اسٹریٹجک ناکامیوں میں سے ایک کی یاد دلاتا ہے"۔ یوں اس طرح یہ صحافی، اشان تھرور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ایران کی جانب سے آبنائے ہرمز میں آمدورفت کو محدود کرنے کا فیصلہ جدید تاریخ کی ایک بڑی اسٹریٹجک ناکامی، یعنی نہرِ سویز کی جنگ میں برطانیہ کی ناکامی سے مشابہت رکھتا ہے، جس کے نتیجے میں بالآخر برطانیہ کی عالمی اجارہ داری اور اثر رسوخ ختم ہو گیا تھا۔ اور اب ٹرمپ اپنے حالات اور اپنے ملک کی مخصوص صورتحال کے مطابق اسے ڈھالنے کی کوشش کرتے ہوئے اسی تاریخی اسٹریٹجک ناکامی کو ایک امریکی شکل میں دہرا رہا ہے۔

برطانیہ نے نہرِ سویز کی جنگ اس لئے چھیڑی تھی تاکہ وہ اپنے استعماری اثرورسوخ کو دوبارہ قائم کر سکے اور نہرِ سویز کو ایک بار پھر اپنے دائرۂ اثر میں لے آئے۔ اور یاد رہے کہ اس دور میں برطانیہ کی سلطنت زوال پذیر تھی، اس کی استعماری طاقت مٹتی چلی جارہی تھی، اس کی معیشت زبوں حالی کا شکار تھی، اور اس کے علاوہ برطانیہ کو نئے حریفوں کے ساتھ شدید جیو اسٹریٹجک کشمکش کا سامنا بھی تھا، لیکن ان حالات کے باوجود برطانیہ نے یہ جنگ چھیڑ دی۔ اور برطانیہ اس جنگ میں الجھ کر رہ گیا، نہرِ سویز پر دوبارہ کنٹرول حاصل کرنا تو درکنار، اس کے پاس جو کچھ بھی عالمی جیو اسٹریٹجک اثرورسوخ باقی رہ گیا تھا، برطانیہ اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ برطانیہ کو بڑی طاقتوں کے اس دائرے سے باہر کر دیا گیا جو عالمی منظرنامے پر اثر انداز ہوتی تھیں، اور عالمی سیاست کے مباحثے صرف امریکہ اور سوویت

یونین تک محدود ہو کر رہ گئے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سوویت یونین اور امریکہ کے ساتھ ساتھ، برطانیہ کو اب بھی ایک تیسری سپر پاور سمجھا جاتا تھا۔ ایک برطانوی مورخ اور کتاب Blood and Sand: Suez, Hungary, and Eisenhower's Campaign for Peace، ”ریت وخون: نہر سویز، ہنگری، اور آئزن ہاور کی امن کے لئے مہم“ کی مصنفہ، الیکس وان تونزیل مین (Alex von Tunzelmann) کے مطابق: ”نہر سویز کے واقعے کے بعد، برطانیہ کا تیسری سپر پاور ہونے کا وہ درجہ“ ختم ہو کر رہ گیا، اور ہمیں ایک 'دو قطبی دنیا' (Binary/Bipolar World) کے بارے میں سننے کو ملنے لگا۔ یہ بات تو بہر حال بالکل واضح ہو گئی کہ برطانیہ اب کھل کر امریکہ کی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کے قابل نہیں رہا“۔

تاہم، مماثلت کی اس تمام صورتحال میں امریکہ کے لئے آج سب سے مایوس کن بات یہ ہے کہ ایران کے خلاف اس جنگ نے امریکہ کے زوال کے ان آخری مراحل کو عیاں کر دیا ہے جن تک امریکہ آج پہنچ چکا ہے۔ آج امریکہ محض زوال کا ہی شکار نہیں ہے، بلکہ ایک مکمل اور ہمہ گیر بگاڑ سے گزر رہا ہے اور اس بگاڑ کی سب سے شدید اور خطرناک شکل امریکہ کی داخلی سطح پر نظر آتی ہے، جہاں امریکی سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی ساخت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہے اور مختلف طبقات میں بٹ کر منقسم مفادات اور اپنے اپنے مقاصد کے تضاد کا شکار ہو گئی ہے۔ اس صورتحال نے سرمایہ دارانہ درندگی اور جارحانہ رویوں کی ایک انتہائی شکل کو جنم دیا ہے، اور ہر طرح کی سیاسی سطح پر عمودی اور افقی تقسیم پیدا کر دی ہے، چاہے وہ جماعتوں کی سطح پر ہو، ریاست کی، اداروں کی، ایجنسیوں کی یا انتظامیہ کی سطح پر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی، ثقافتی اور تہذیبی ٹوٹ پھوٹ اور زوال بھی سامنے آیا ہے، اور ایک ایسا تباہ کن مالی بحران پیدا ہوا ہے جس کی مثال سلطنتوں کی تاریخ میں نہیں ملتی، گویا امریکی ریاست اور معاشرہ قرضوں کے سمندر میں ڈوب چکا ہے۔ ان سب میں سب سے خطرناک پہلو سیکولر سرمایہ دارانہ ثقافتی نظام کا زوال اور اس کا تہذیبی بگاڑ کی انتہا کو پہنچ جانا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظام اپنے زوال کے آخری مرحلے میں داخل ہو چکا ہے، اور بات ریاست کے سربراہ اور قیادت کی کرپشن تک جا پہنچی ہے۔ ٹرمپ کی صدارت اس زوال کی کھلی اور شرمناک علامت بن گئی ہے، جبکہ ایپسٹین آئی لینڈ کا اسکینڈل اس بات کا ثبوت ہے کہ قیادت کی اخلاقی گراوٹ اور بدکرداری کوئی انفرادی واقعہ نہیں بلکہ ان میں رچ بس کر ایک عمومی اور ہمہ گیر کیفیت بن گئی ہے، اور ٹرمپ اس زوال یافتہ قیادت کی ایک نمایاں مثال ہے۔ لیڈرشپ کی اس گراوٹ کا سب سے نمایاں انجام وہ اسٹریٹجک بحران ہے جس کا امریکہ کو ایران کے خلاف جنگ میں سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جیسا کہ سیاسیات کے ماہر اسٹیفن ایم والٹ (Stephen M. Walt) نے 3 فروری، 2026ء

کو فارن پالیسی میگزین میں ایک مضمون میں لکھا، جس کا عنوان تھا، " The Predatory Hegemon: How Trump Wields American Power" یعنی "شکاری بالادستی: ٹرمپ امریکی طاقت کو کیسے استعمال کرتا ہے"، مصنف لکھتا ہے کہ: "شکاری بالادستی اپنے اندر ہی اپنی تباہی کے بیج رکھتی ہے"، اور انہوں نے خبردار کیا کہ امریکہ "مزید غریب، کم محفوظ اور کم بااثر ہوتا چلا جائے گا، جتنا کہ آج موجودہ امریکیوں کی پوری زندگی میں کبھی نہیں رہا۔ مستقبل کے امریکی لیڈران ایک کمزور پوزیشن سے کام کریں گے اور واشنگٹن کی ساکھ کو ایک ذاتی مفاد پرست مگر غیر جانبدار پارٹنر کے طور پر بحال کرنے کے لئے سخت جدوجہد کرنا پڑے گی۔ شکاری بالادستی ایک ناکام حکمت عملی ہے، اور جتنا جلدی ٹرمپ انتظامیہ اسے چھوڑ دے، تو اتنا ہی ان کے لئے بہتر ہو گا"۔

ایران کے خلاف جنگ اس خام مادی اور فوجی طاقت کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی جسے امریکہ دشمنوں اور حریفوں کو زیر کرنے اور اپنی ختم ہوتی ہوئی بالادستی کو برقرار رکھنے کے لئے بطورِ حربہ اور دھمکی استعمال کرتا تھا۔ اس جنگ کے اثرات نے امریکہ کو اسٹریٹجک طور پر اپنے ان حریفوں اور دشمنوں کے سامنے مکمل طور پر بے نقاب کر دیا ہے جو پہلے ہی اس تاک میں لگے بیٹھے تھے، اور اب امریکہ ان کے لئے ایک آسان اور قابلِ حصول ہدف بن چکا ہے۔

جہاں تک کچھ وقتی معاشی فوائد کی بات ہے، جو اس جنگ کے ضمنی اثرات ہیں اور اس کے اسٹریٹجک مقاصد میں شامل نہیں ہیں، تو یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ وقتی فوائد اسٹریٹجک نقصانات کا ازالہ نہیں کر سکتے۔ مزید یہ کہ، ان وقتی معاشی فوائد کا باریک بینی سے جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معاشی اثر بہت محدود ہے جبکہ اسٹریٹجک اثر تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

بہر حال، ان تجزیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ جنگ کے اثرات، توانائی کے بحران اور معاشی جھٹکے کے دوران ڈالر کی طلب میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جس کے نتیجے میں اس کی قدر بڑھ گئی، اور خلیج کی توانائی کے بحران کے متبادل کے طور پر امریکی توانائی کے ذرائع کی مانگ میں بھی اضافہ ہوا کیونکہ ان کے پاس ذخائر بھی ہیں اور مقامی پیداوار بھی موجود ہے۔ اس صورتحال نے پیٹرو ڈالر نظام کو مضبوط کیا اور وہ مالیاتی نظام مزید مستحکم ہوا جس کے ذریعے امریکہ عالمی معیشت اور بین الاقوامی میدان میں حاوی رہا ہے۔ یہ تجزیہ منطقی ہے، لیکن مسئلہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور کثیر الجہتی ہے اور خاص طور پر دورِ حاظر کے عالمی منظرنامے کی صورتحال کی پیچیدگیوں کے پیشِ نظر اس مسئلہ کو پیٹرو ڈالر کے تناظر میں صرف توانائی اور ڈالر کے درمیان ایک سادہ میکانکی تعلق کے طور پر نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے مختلف باہم جڑے ہوئے عناصر کو الگ الگ کر کے دیکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ توانائی کے بحران اور اس معاشی

جھٹکے سے بنیادی فائدہ اٹھانے والے وہ ممالک تھے جو اس جنگ کے جغرافیائی دائرے سے باہر بیٹھے ہیں اور خود تیل اور گیس پیدا کرنے والے ممالک ہیں، جن میں سب سے پہلے امریکہ کا انرجی سیکٹر آتا ہے۔ اس جنگ کے نتیجے میں امریکی توانائی کمپنیوں اور اسلحہ ساز اداروں کے حصص کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہوا۔ تاہم یہ فوائد صرف توانائی اور اسلحہ کے شعبوں تک ہی محدود رہے اور مجموعی طور پر پوری امریکی معیشت تک نہیں پھیلے۔ امریکی توانائی کمپنیوں اور اسلحہ کی کمپنیوں کے حصص کی قیمتوں میں اس طرح کا اضافہ ہونا امریکی معیشت کی تاریخ میں بار بار دہرائی جانے والی ایک کیفیت ہے، جو جنگوں کے دوران توانائی اور اسلحہ کی منڈیوں میں تیزی کی صورت میں دیکھنے میں آتی ہے۔ لیکن اس کا مطلب معیشت کی مجموعی بہتری نہیں ہوتا۔ بلکہ سکے کا دوسرا رُخ دیکھنے پر یہ کیفیت شدید تضادات کو ظاہر کرتی ہے اور اس کا منفی اثر امریکی معیشت کے اہم شعبوں، ریاست، ریاست کے قرضوں پر اور افراطِ زر پر اور اس کے ساتھ ساتھ معاشرے اور روزمرہ کے اخراجات پر پڑتا ہے۔ توانائی کی قیمتوں میں اضافہ ٹرانسپورٹ پر منفی اثر ڈالتا ہے اور شپنگ کے اخراجات کو بڑھا دیتا ہے، پیداواری لاگت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور صارفین کے لئے قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ یہی صورتحال یوکرین جنگ کے دوران پیش آئی اور روسی انرجی مارکیٹ جمود کا شکار ہوگئی، اور بڑی امریکی انرجی کمپنیوں نے بھرپور منافع کمایا۔ یوکرین جنگ شروع ہونے کے بعد 2022ء کی تیسری سہ ماہی میں ہی امریکی انرجی کمپنیوں، ایگزون موبل (ExxonMobil) اور شیوران (Chevron) کا منافع 30 ارب ڈالر سے تجاوز کر گیا۔ اس کے نتیجے میں ایندھن، توانائی، شپنگ، پیداوار اور صارفین کے لئے روزمرہ کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ مزید یہ کہ ایران کے خلاف جنگ اور آبنائے ہرمز گزرگاہ کے بند ہو جانے سے کھاد، کیمیکلز اور خام مال کا بحران پیدا ہوا، جو کہ امریکہ خلیجی ممالک سے درآمد کرتا ہے کیونکہ خلیجی ممالک ان اشیاء کے بڑے پروڈیوسرز ہیں۔ اس سپلائی چین کی رکاوٹ نے ٹیکنالوجی اور زرعی شعبوں میں بھی پیداوار کو متاثر کیا، جو کہ امریکی معیشت کے دو اہم اور اسٹریٹجک شعبے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکی معیشت، ریاست اور معاشرے پر اس جنگ کے اثرات یک طرفہ نہیں ہیں۔

بہرحال مسئلہ صرف یہ نہیں کہ جنگ کے دوران جنگی صنعت کے فروغ اور نجی اسلحہ ساز کمپنیوں کے منافع میں بیش بہا اضافہ ہو گیا ہو۔ بلکہ، اس میں توانائی اور خام مال کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیشِ نظر ان صنعتوں کی لاگت کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ امریکہ ایران کے خلاف جنگ میں براہِ راست فریق ہے اور اپنے ہی اسلحے، آلات اور گولہ بارود کا اولین صارف بھی ہے۔ امریکہ، جو پہلے ہی قرضوں میں جکڑا ہوا ہے، اپنی ہی عسکری مصنوعات کا گاہک بن کر امریکی قرضوں کے سنگین مسئلے کو مزید بڑھا

رہا ہے۔ یہ صورتحال اس سادہ لوح تصور کے کم فہم ہونے کو ظاہر کرتی ہے جس میں آئل، گیس اور اسلحہ کی آمدنی کو امریکی معیشت، امریکی ڈالر اور امریکی بالادستی کے ساتھ براہِ راست منسلک کیا گیا ہے۔

درحقیقت، ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ کے اثرات اور امریکہ کو درپیش موجودہ اسٹریٹجک اور عسکری مشکلات کو ڈالر کے بطور عالمی کرنسی جاری رہنے کے لئے ایک بڑے امتحان کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ امریکہ نے ڈالر کو ایک ہتھیار کے طور پر حد سے زیادہ استعمال کیا، حتیٰ کہ اپنے اتحادیوں کے خلاف بھی، اور چین اور روس کے خلاف اپنی سرد جنگ میں پیٹرو ڈالر کو بھی بطور ہتھیار استعمال کیا، جس کے نتیجے میں اس سے علیحدگی کے رجحانات مضبوط ہوئے۔ پیٹرو ڈالر نظام کے زوال پر کی گئی گہری تحقیقات میں سے ایک، ڈچ بینک (Deutsche Bank) کی سٹریٹجسٹ ماہر ملیکا سچدیوا (Malika Sachdeva) کی ایک تحقیق ہے، جس کا عنوان ہے What Iran means for the petrodollar, a perfect storm for the petrodollar یعنی "ایران کی نظر میں پیٹرو ڈالر کے کیا معنی ہیں: پیٹرو ڈالر کی مکمل تباہی"، یہ مضمون نہایت اہمیت کا حامل ہے، جو 24 مارچ 2026ء کو شائع ہوا اور فیصلہ ساز حلقوں میں خاصا مقبول ہوا۔ اس مضمون میں مصنفہ نے نشاندہی کی ہے کہ پیٹرو ڈالر کا نظام پہلے ہی زوال پذیر تھا، جس کی وجہ آئل مارکیٹ کے مرکز کا ایشیا کی طرف منتقل ہونا ہے۔ مزید یہ کہ ایران اور روس کا وہ آئل، جو پابندیوں کا شکار ہے، ڈالر کے دائرے سے باہر فروخت ہو رہا ہے اور عالمی کھپت کا تقریباً 14 فیصد بنتا ہے۔ اسی طرح سعودی حکومت بھی چین کے ساتھ تیل کی تجارت کو ڈالر کے علاوہ کرنسی میں طے کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہی ہے۔ یہ تحقیقی مطالعہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ آئی ایم ایف (IMF) کے مطابق، عالمی مرکزی بینکوں کے فارن ایکسچینج ریزرو میں ڈالر کا حصہ 2015ء میں 65٪ سے کم ہو کر 2025 میں 56.9٪ رہ گیا ہے۔ امریکی انویسٹمنٹ بنک، گولڈمین سیک (Goldman Sachs) کے سابق ماہرِ معاشیات اور برطانیہ کے سابق وزیر مالیات، جم او نیل (Jim O'Neill) کے مطابق، ڈالر کی تنزلی کی وجہ خلیجی ریاستوں کی جانب سے چین اور بھارت کے ساتھ ڈالر کے فریم ورک سے باہر رہ کر آئل کی تجارت کرنا ہے۔ یہ رجحان امریکہ کو درپیش اسٹریٹجک اور عسکری مشکلات کی وجہ سے مزید تیز ہو رہا ہے، اور خلیج میں امریکی اڈوں پر حملوں کے بعد پیٹرو ڈالر کے بدلے تحفظ (Petrodollar-for-protection) کے معاہدے کو شدید نقصان پہنچا ہے، جس کے نتیجے میں خلیجی حکومتوں کا امریکی فوجی تحفظ کے سائے تلے ہونے پر اعتماد مزید کمزور ہوا ہے۔

گلوبل نیوز ایجنسی رائٹرز (Reuters) کے مطابق عالمی معیشت میں ایک تبدیلی متوقع ہے، جس کے تحت پیٹرو ڈالر پر سخت انحصار کم ہو کر دیگر کرنسیوں کے ذخائر کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ یہ رجحان پیٹرو ڈالر نظام کو مزید کمزور کرے گا اور عالمی معیشت میں ڈالر کی بالادستی کو متاثر کرے گا۔ یہ صورتحال اس وجہ سے مزید سنگین ہو رہی ہے کہ قومی ذخائر میں امریکی ٹریژری بانڈز (US Treasury bonds) کی ملکیت میں تیزی سے اور مسلسل کمی آ رہی ہے۔ یہ صورتحال تیزی سے بڑھتی ہوئی ایک تنزلی ہے، جو 2010ء میں 50 فیصد سے کم ہو کر 2026ء میں 32 فیصد رہ گئی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ اور اس کی اسٹریٹیجک مشکلات بھی شامل ہیں۔ یہ تمام عوامل پیٹرو ڈالر نظام کے زوال اور بانڈز پر انحصار میں کمی کو مزید تیز کریں گے، جس کے اثرات امریکی مالیاتی نظام، اس کی عالمی حیثیت اور بین الاقوامی سطح پر امریکی بالادستی پر پڑیں گے۔

ڈونلڈ ٹرمپ کی ایران کے خلاف جنگ اور اس کے اثرات امریکہ کے لئے ایک تاریخی اسٹریٹیجک بحران کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ ایک اہم تاریخی موڑ ہے جو امریکی بالادستی کے زوال اور اُس عالمی نظام کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے جس کی بنیاد امریکہ نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد رکھی تھی۔ ٹرمپ، جو کہ خود اپیسٹین (Epstein) کے گھٹیا تہذیبی نظام کی پیداوار ہے، اور پھر بحرانوں میں گھری ہوئی ٹرمپ کی انتظامیہ ہے جو تلوے چاٹتے ہوئے خوشامدی اور ناکام لوگوں کا ٹولہ ہیں، اور یہ لوگ قیادت کے سنگین بحران اور ایک کرپٹ لیڈر کی ایک منہ بولتی اور حیرت انگیز مثال ہیں۔ ٹرمپ اسٹریٹیجک سطح پر نہ تو کچھ نیا بنا رہا ہے اور نہ ہی کسی نئی چیز کی بنیاد رکھ رہا ہے۔ ٹرمپ کا 'فاکس نیوز' سے تعلق رکھنے والا کٹھ پتلی کارندہ، پیٹ ہیگستھ (Hegseth)، جو فحش کلبوں اور شراب نوشی کی لت میں مبتلا ہے اور جسے ٹرمپ نے سیکرٹری آف ڈیفنس مقرر کیا ہوا ہے، وہ ملٹری کے نااہل ہونے کی ایک واضح مثال ہے۔ یہ ٹرمپ تو امریکہ کے لئے گورکن ثابت ہو رہا ہے نہ کہ اس امریکہ کو دوبارہ عظیم بنانے والا۔

تاہم مسئلہ کا حل یہ نہیں ہے کہ چپ چاپ بیٹھ کر امریکہ کے زوال اور دفن ہونے کا انتظار کیا جائے، بلکہ اس کے بجائے ایک تہذیبی اور سیاسی متبادل کی ضرورت ہے تاکہ دنیا کو اس اندھی جہالت کی تاریکی سے جلد از جلد نجات دلائی جائے جو یورپی اور امریکی مغرب نے دنیا کے لیے بدبختی اور خودکشی کی صورت میں پیدا کی ہے۔ اور یہ اہم ترین کام یقیناً چین کے توبس کی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی مغربی جاہلیت ہی کے 'چینی ورژن' کا تسلسل ہے، بلکہ چین تو مغرب سے بھی زیادہ مکار اور عیار ہے۔ اس کے برعکس، نجات تو صرف رب العالمین اللہ جَلَّ جَلَالُهُ کے عطا کردہ دین 'اسلام' اور اسلام کے منفرد تہذیبی منصوبے اور اس کی منفرد اور ممتاز نظام

'خلافتِ راشدہ' میں پنہاں ہے۔ تو پھر آخر اسلام کے بیٹے اور بیٹیاں ہر قسم اور رنگ کے کفر کو مٹانے اور اسلام کی عمارت اور نظام کو قائم کرنے میں جلدی کیوں نہیں کرتے؛ ایسی خلافت جو منہجِ نبوت پر قائم ہو اور تمام انسانوں میں عدل اور رحمت کو عام کر دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوراً مُّبِيناً، فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً﴾ "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور نازل کیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس سے مضبوطی سے وابستہ رہے، وہ انہیں اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دے گا"۔ [سورۃ النساء؛ 4:174]

فہرست

# ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ میں شمولیت کے لئے یورپ کا انکار!

استاذ سالم ابو اسبیتان

ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ میں یورپ کے حصہ لینے سے انکار کے حوالے سے یورپ کے اس مؤقف کی تفصیلات میں جانے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم کچھ پیچھے جائیں تاکہ حالات کو اس "ٹرمپ ڈاکٹرائن" کے تناظر میں سمجھا جاسکے جس نے امریکی خارجہ پالیسی کے تصور کو نئی شکل دے دی ہے۔ صدر ٹرمپ کے بیانات محض انتخابی نعرے ہی نہیں تھے، بلکہ حریفوں اور اتحادیوں، دونوں کے لئے واضح اور سخت پیغامات تھے۔ ان بیانات میں معاشی اور جغرافیائی غلبے کی بے لگام خواہشات کھل کر سامنے آئیں، جن میں غزہ کو اپنے قبضہ میں لینے کے اشارے شامل تھے تاکہ اسے بڑی عیاشی کے اڈے میں اور معاشی منصوبوں میں تبدیل کیا جاسکے، نیز کینیڈا کو امریکہ کی 51 ویں ریاست بنانے یا گرین لینڈ کو خریدلینے جیسے انوکھے خیالات بھی شامل تھے۔

امریکہ کے یہ عزائم محض جغرافیائی توسیع تک ہی محدود نہ تھے، بلکہ یورپی خود مختاری کے قلب پر ایک ضرب تھے، کیونکہ یاد رہے کہ کینیڈا اور گرین لینڈ انتظامی اور جغرافیائی طور پر یورپی دائرۂ اثر سے جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نیٹو سے علیحدگی کی کھلی دھمکیاں بھی دی گئیں، جبکہ نیٹو کے حوالے سے یورپ کو بنیادی استفادہ حاصل کرنے والا سمجھا جاتا ہے، اس کے علاوہ یوکرین پر فوجی مدد فراہم کرنے کے بدلے میں بھاری رقوم عائد کی گئیں یا پھر اس کی نایاب زمینی دھاتوں پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ معاشی بلیک میلنگ اور 200 فیصد سے زائد محصولات کے نفاذ پر مبنی ٹرمپ کے اس طرزِ عمل نے عالمی رہنماؤں میں اپنی توہین کا احساس پیدا کیا اور یہ رویہ ان کی ناراضی کا باعث بنا، خاص طور پر روایتی اتحادیوں جیسے برطانیہ کے لئے، جس نے خود کو ایک ایسی انتظامیہ کے سامنے پایا جو غیر معمولی گھمنڈ اور تکبر کے ساتھ برتاؤ کر رہی تھی، جبکہ یہودی وجود کو ایک لاڈلے بچے کی حیثیت حاصل ہو گئی، کیونکہ اس کے مطالبات کوئی سوال کئے بغیر ہی پورے کر دیئے گئے۔

ٹرمپ کے دور میں امریکی تکبر اس حد درجہ تک پہنچ گیا کہ تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، جس نے ریاست کو ایک ایسی شکل دے دی جو کہ کسی ایسی کثیر القومی کارپوریشن سے مشابہت رکھتی ہو جو عالمی قانون اور سفارتی اصولوں سے ہٹ کر عالمی ضابطے مقرر کرتی ہے، اور اس طرح سے امریکہ نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد قائم ہونے والے عالمی نظام کو کمزور کر دیا۔ غزہ پر سات

سو دنوں تک جنگ برپا کرنے کے بعد، ٹرمپ نے اقوامِ متحدہ اور اس کی سلامتی کونسل کے متبادل کے طور پر ایک عالمی "بورڈ آف پیس" کے قیام کا اعلان کر دیا، اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ ادارے اپنی تاریخی افادیت کھو چکے ہیں۔

تاہم، ٹرمپ یہیں پر ہی نہیں رکا۔ بلکہ امریکی بالادستی کے دائرہ کار کو بڑھا کر مونرو ڈاکٹرائن کی ایک انتہا پسند شکل تک جا پہنچایا، جس کے تحت بحرِ اوقیانوس کے پار سے امریکہ کے معاملات میں کسی بھی بین الاقوامی مداخلت کو ممنوع قرار دیا گیا۔ اس سب کا عملی اظہار وینزویلا کے محاصرے، اس کے صدر نکولس مادورو کے اغواء، اور وینزویلا کے تیل کے ذخائر کو اپنے مکمل کنٹرول میں لے لینے کی صورت میں سامنے آیا۔ ان اقدامات نے مشرقِ وسطیٰ میں ایک بڑے حملے کی راہ ہموار کی: جس میں ایران پر حملہ شامل ہے۔

امریکی منصوبہ "چار روزہ" حکمتِ عملی پر مبنی تھا: یعنی ایک فوری اور برق رفتار حملہ جس میں اس مقصد کے ساتھ سپریم لیڈر سمیت اعلیٰ قیادت کا خاتمہ کرنا تھا تاکہ ایران کو 96 گھنٹوں کے اندر اندر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا جا سکے۔ ہدف یہ تھا کہ "سب سے پہلے امریکہ" کے مقصد کو حاصل کرتے ہوئے مشرقِ وسطیٰ پر کنٹرول قائم کیا جائے، جہاں تیل، گیس اور نایاب معدنی دھاتوں کے وسیع ذخائر موجود ہیں، اور ان آبی گزرگاہوں پر قبضہ کیا جائے جو عالمی تجارت کی شہ رگ ہیں۔ اگر امریکہ اس میں کامیاب ہو جاتا تو یہ ہنری کسنجر اور زبگنیو برژنسکی (Zbigniew Brzezinski) کی اس پیش گوئی کو حقیقت بنا دیتا کہ جو مشرقِ وسطیٰ پر قابو پا لے، تو وہ دنیا پر حکمرانی کرے گا اور بلا مقابلہ لیڈر بن جائے گا۔

تاہم، جب حد سے زیادہ طاقت کا غرور غالب ہو تو انتہائی مہارت سے تیار کی گئی منصوبہ بندی اور دہائیوں تک کی آزمودہ حکمتِ عملیاں بھی بعض اوقات غیر متوقع عوامل کو نظر انداز کر دیتی ہیں۔ امریکہ نے پیشگی حملے کی حکمتِ عملی اپنائی تاکہ اپنے حریف کو غیر مستحکم اور مفلوج کر سکے، مگر ایران ابتدائی حملے کے آگے نہیں جھکا۔ اس کے برعکس، ایران نے بیلسٹک اور ہائپر سونک میزائلوں کا استعمال کرتے ہوئے فوری اور بھرپور جواب دیا، اور امریکی اڈوں کو شدید نقصان پہنچایا اور بہت سے اڈوں کو تو ناکارہ بنا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایران نے امریکہ کے پسندیدہ اتحادی، اسرائیل کو بھی بھاری نقصان پہنچایا۔

**یہاں سوال یہ ہے کہ:** آخر یورپ نے اس جنگ میں شرکت سے انکار کیوں کیا؟ تو بات یہ ہے کہ بیجنگ اور ماسکو کے ساتھ ساتھ ی ورپی دارالحکومتوں نے یہ بات بخوبی سمجھ لی تھی کہ اگر امریکہ مشرقِ وسطیٰ پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو یورپ ہمیشہ کے لئے امریکہ کے زیرِ اثر آ جائے گا۔ لہٰذا ان ممالک نے محسوس ک رل یا کہ اندھی تابعداری سے نکلنا بہت ضروری ہے، کیونکہ وسیع النوع قسم کے اتحادوں نے انہیں سوائے خسارے کے کچھ نہیں دیا تھا۔

یورپ نے نیٹو کے دفاعی معاہدے کی اس شق کا حوالہ دیا جس کے مطابق کسی ایک رکن پر حملے کی صورت میں اجتماعی دفاع کیا جائے گا، جبکہ یہ شق اس ابتدائی حملے پر لاگو نہیں ہوتی تھی جو امریکہ اور یہودی وجود نے ایران کے خلاف کیا تھا۔ درحقیقت، یورپی انٹیلی جنس رپورٹس نے تصدیق کی تھی کہ ایران کا وجود کوئی ایسا براہِ راست خطرہ نہیں جو ایک ہمہ گیر جنگ کا جواز بنتا۔ یورپ کی ناراضی میں مزید اضافہ اس بات سے ہوا تھا کہ یوکرین کے بحران میں امریکہ نے انہیں تنہا چھوڑ دیا تھا، ج بکہ جنگ کے بھاری اخراجات یورپ کو برداشت کرنا پڑے تھے۔ نیز یہ کہ، امریکہ نے روسی گیس کی فراہمی میں تعطل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یورپی ممالک کو اپنی گیس نہایت مہنگے داموں فروخت کی، حالانکہ روسی گیس کی تباہی میں امریکہ کا اپنا کردار تھا۔

یوں اس کے نتیجے میں دیگر بڑی طاقتوں، یعنی یورپ، روس اور چین کے درمیان ایک غیر اعلانیہ اتحاد وجود میں آیا تاکہ امریکی یک طرفہ اجارہ داری کو روکا جا سکے۔ ان ممالک کے مابین یہ اتحاد اس لئے نہیں قائم ہوا تھا کہ انہیں ایران سے ک وئی لگاؤ یا ہمدردی تھی بلکہ اس اتحاد کے پیچھے ان کی خواہش یہ تھی کہ امریکہ کو اپنے فیصلوں کے تلخ نتائج خود بھگتنے پڑیں۔ تاہم، ایک پیچیدہ جغرافیائی وسیاسی حقیقت بھی موجود ہے: یہ طاقتیں یہ نہیں چاہتیں کہ امریکہ مکمل طور پر تباہ ہو جائے یا اسے ایسی فیصلہ کن شکست ہو جو کہ اس کے زوال کا باعث بنے، کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک بہت بڑا ایسا سیاسی اور س کیورٹ ی کا خلا پیدا ہو جائے گا جسے کوئی موجودہ طاقت پُر نہیں کر سکتی۔

یورپ اس بات سے خوف زدہ ہے کہ اگر امریکہ کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا تو وہ اپن ی جغرافیائی حدود میں واپس چلا جائے گا، جس کے نتیجے میں دنیا، اور خاص طور پر مشرقِ وسطیٰ اس پیدا کردہ افراتفری اور جنگل کے قانون کی سی ایسی حالت میں رہ جائے گا کہ جہاں عالمی پولیس کی غیر موجودگی میں کوئی متبادل نظام قائم ہونے سے پہلے خلا پیدا ہو جائے گا۔ یورپ ایک ایسا امریکہ چاہتا ا

ہے جو کہ ایک پارٹنر ہو، نہ کہ غالب طاقت؛ ایک ایسا فعال ملک ہو جو اجتماعی مفادات کا احترام کرے، نہ کہ ایک ایسی پرائیویٹ کارپوریشن جو وسائل کو لوٹتی کھسوٹتی رہتی ہو۔

ایران کی اپنی مشکل حالت پر قابو پانے کی صلاحیت اور امریکہ کی عالمی سطح پر کم ہوتی ہوئی ساکھ نے عرصۂ دراز سے چھپی ہوئی ایک حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے: یعنی وہ طاقت جسے کبھی ناقابل شکست سمجھا جاتا تھا، درحقیقت وہ ایک ایسی طاقت ہے جسے ایک پختہ عزم سے توڑا جا سکتا ہے۔ اور یہ صورتِ حال اسلامی اُمت کو اس کی تاریخی ذمہ داری کے سامنے لے کر آتی ہے۔ جب بڑی طاقتیں، یورپ، روس اور چین، کوئی متبادل منصوبہ پیش کرنے سے قاصر ہوں، اور باہم مقابل طاقتوں کی وجہ سے ایک جغرافیائی خلا پیدا ہو، تو یہ صورتحال آئیڈیالوجیکل اسلامی منصوبے کے لئے اپنے باب کھول دیتی ہے۔

یہ ایک سنہری موقع ہے کہ ایک ایسی مثالی ریاست قائم کی جائے جس کی بنیاد اللہ کے عطا کردہ عدل و انصاف پر ہو، اور وہ ذاتی مفادات سے پاک ہو، اور وہ اس دنیا کے لئے ایک روشن متبادل بنے، جہاں طاقت کے غرور اور ٹکراؤ کے باعث باہمی مفادات میں رسہ کشی اور افراتفری کا عالم ہے۔ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ اقتدار کے جو تخت ظلم پر قائم ہوتے ہیں، وہ آخرکار گر جاتے ہیں، اور وہ فتح (نصر) جس کا وعدہ کیا گیا ہے اس حد سے جڑی ہوئی ہے جس حد تک امت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان کے مطابق اپنے اصل مقصد پر ڈٹی رہتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ **"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط کرے گا"** [سورۃ محمد: 47:7]

فہرست

# امن معاہدہ ایک دھوکہ ہے! پاکستان کے حکمران ایران کے جوہری پروگرام کو ختم کرنے، یہودی وجود کو سیکیورٹی گارنٹی فراہم کرنے اور مشرق وسطی میں امریکہ کی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے کام کر رہے ہیں

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

17 اپریل کو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا، "میں شاید اسلام آباد جاؤں۔۔۔ فیلڈ مارشل )عاصم منیر (بہت زبردست ہیں، وزیر اعظم )شہباز شریف (بہت زبردست ہیں۔ "اس سے قبل امریکی وائٹ ہاؤس کی ترجمان نے کہا، میں ایک نقطہ ہائی لائٹ کرنا چاہتی ہوں جو صدر کے نزدیک بہت اہم ہے۔۔۔ پاکستانی اس پورے عمل کے دوران " بہترین مصالحت کار رہے ہیں۔۔۔ اور صرف پاکستان اس عمل میں واحد مصالحت کار ہے۔ "سوال یہ ہے کہ امریکی فرعون ٹرمپ، جس نے دو سال غزہ پر خوفناک بمباری اور قتل عام میں صیہونی وجود کا بھرپور ساتھ دیا، جس نے ایران میں اسکول کی بچیوں پر بمباری کی، اور جس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، اور جس نے ایران کی پوری تہذیب صفحہ ہستی سے مٹانے کی دھمکی دی، وہ کیوں پاکستان کے وزیراعظم اور فیلڈ مارشل کی تعریف کر رہا ہے؟ کیونکہ پاکستان کے وزیراعظم اور فیلڈ مارشل اپنے لوگوں کو امن معاہدے کے نام پر دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ حکمران امن کے لیے نہیں بلکہ خطے میں امریکہ کے مفادات کی حفاظت کے لیے حرکت میں آئیں ہیں۔ یہ مسلمانوں سے جھوٹ بول رہے ہیں اور امت اور اسلام کے خلاف اپنی سازشوں پر پردہ ڈالنے کے لیے امن کا راگ الاپ رہے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں کی حقیقت خود امریکی صدر ٹرمپ اور وائٹ ہاؤس کی جانب سے ان کی تعریف سے واضح ہو جاتی ہے۔

پاکستان کے حکمران مصالحت کے نام پر میدان جنگ میں شکست کا منہ دیکھنے والے امریکہ کو مذاکرات کی میز پر فتح دلوانے کیلیئے دن رات ایک کیے ہوئے ہیں۔ امریکہ پاکستانی قیادت کے دباؤ کے ذریعے ایران کو اپنا جوہری پروگرام ختم کرنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایران کا جوہری پروگرام اور اس کی ایٹمی ہتھیار بنانے کی صلاحیت ایران پر امریکی اور یہودی وجود کے حملے رکوانے کی سب سے طاقتور ضمانت ہے۔ تو کیا ایران کو جوہری پروگرام سے دستبردار کروانا خطے میں امن قائم کرنا ہے یا ایران کو کمزور کر کے خطے میں امریکی راج کو مضبوط کرنا ہے؟

ایران امریکہ جنگ کے دوران ایران نے مشرق وسطیٰ میں امریکی جنگی اڈوں کو نشانہ بنایا۔ تو کیا امن معاہدہ مشرق وسطیٰ میں موجود امریکی جنگی اڈوں پر حملے رکوا کر ان اڈوں کو ایرانی، یمنی اور دیگر مسلم مزاحمتی قوتوں کے حملوں

سے محفوظ رکھنے کی ضمانت نہیں دے رہا؟ پاکستان کے حکمران مشرق وسطیٰ میں امن نہیں بلکہ امریکی جنگی اڈوں کی حفاظت کی ضمانت کا معاہدہ کروا رہے ہیں اور اپنے لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔

ایران امریکہ امن معاہدہ جس کے لیے پاکستان کے حکمران سرگرم ہیں، میں امریکہ ایران اور مشرق وسطیٰ کے ممالک سے یہودی وجود کے لیے سیکیورٹی گارنٹی کی ضمانت مانگ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے لبنان میں حزب اللہ اور غزہ میں حماس کو غیر مسلح کرنے کی شرط رکھی ہے اور مسلم حکمرانوں سے اس شرط کے نافذ کرنے کی گارنٹی مانگی ہے۔ کیا جابر اور قاتل یہودی وجود کو غزہ، شام، لبنان اور ایران میں اس کے جرائم کے بدلے میں امن معاہدے سے نوازا جائے جبکہ اسلام کا یہ حکم ہے کہ مسلم افواج حرکت میں آئیں اور یہودی وجود کو صفہ ہستی سے مٹا دیں!

آبنائے ہرمز کی بندش کے بعد مسلم امت پر اپنی اصل طاقت واضح ہو گئی ہے۔ یورپ، ایشیاء بلکہ پوری دنیا کی معیشت مسلم علاقوں میں موجود تیل اور گیس کے ذخائر کی مرہونِ منت ہے۔ مزید یہ کہ عالمی تجارت مسلم علاقوں کے سمندروں اور آبی گذرگاہوں میں محفوظ راستے کے بغیر ممکن نہیں۔ تو کیا اب جبکہ ہم نے اپنی طاقت کا مزہ چکھ لیا ہے ہم امن معاہدے کے نام پر اپنے تیل اور گیس کے ذخائر اور اپنے سمندروں اور آبی گذرگاہوں کا کنٹرول واپس امریکہ اور مغرب کے حوالے کر دیں؟

اے پاکستان کے مسلمانو !اپنے حکمرانوں کے دھوکے میں مت آؤ !پاکستان کے حکمران امن کے لیے نہیں بلکہ ایک نئے مشرق وسطیٰ کی تشکیل کے امریکی منصوبے کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ان حکمرانوں نے غزہ میں قتل عام رکوانے کے لیے ایک گولی نہیں چلائی مگر آل سعود کے تخت کی حفاظت اور خطے میں امریکی اڈوں کی حفاظت کے لیے اپنی فوجی قوت پیش کر دی۔ ان حکمرانوں نے ٹرمپ کے غزہ امن بورڈ میں شمولیت اختیار کی اور ٹرمپ کو غزہ میں فوج کی تعیناتی کی یقین دہانی کروائی ۔اور اب یہ حکمران ٹرمپ کے ساتھ مل کر ایران پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ امریکہ کے نئے مشرق وسطیٰ کے منصوبے کے سامنے سر جھکا دے جیسے ان حکمرانوں نے امریکہ کے سامنے اپنا سر جھکا رکھا ہے۔ یہ حکمران اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے اور امریکہ کے ساتھ اپنی ساز باز پر عوامی دباؤ اور عوامی غم و غصّے سے بچنے کی خاطر امریکہ کو دی جانے والی اپنی خدمات کو امن کے لیے کوششوں کا نام دے رہے ہیں۔

اے افواج پاکستان!

ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ جو قیادت امریکہ کی خاطر اس خطے میں امریکی سیکیورٹی ڈھانچے کو دوبارہ سے منظم اور مستحکم کرنے کی کوشش کر سکتی ہے، تو وہ اسے اکھاڑنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی؟ آخر کیا وجہ ہے کہ حربی کافر جو دنیا بھر میں مسلمانوں کا

قتل عام کر رہے ہیں وہ پاکستان کے حکمرانوں کی تعریف کر رہے ہیں؟ کیا اس امر میں کوئی شک ہے کہ امریکہ خطے میں اس قوت کا خاتمہ چاہے گا جو امریکی آرڈر کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ تو امریکہ کو اس خطے میں مضبوط کر کے پاکستان، ترکی یا دوسرے کسی بھی مسلم طاقت کا کیا مستقبل ہو گا؟ کیا پاکستان کی مجاہد افواج ایسی قیادت کی مستحق ہیں؟ جب ایران کے کچھ کمانڈرز پورے خطے میں امریکی تنصیبات کو تہس نہس کر سکتے ہیں، پانچویں جنریشن کے جہاز گرا سکتے ہیں، یہودی وجود کا بھرکس نکال سکتے ہیں، امریکی بحری بیڑوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر سکتے ہیں، امریکہ کی میزائل ڈیفنس سسٹم کی بیٹریاں اڑا سکتے ہیں، تو پاکستان کی ایٹمی افواج جدید ترین میزائل اور جہازوں سے لیس کیا کچھ نہیں کر سکتیں؟ لیکن یہ صرف تب ہو گا جب آپ اپنی نصرۃ خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو دیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ایک عظیم مشن پر مامور کیا ہے، جو اسلام کو اس دنیا پر غالب کرنے کا ہے، نہ کہ انگریزوں کی کھینچی ہوئی چند آڑھی ترچھی لکیروں کے اندر قید ہو کر چھوٹے سے خطے کے دفاع کا! اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ**﴾ **"وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے۔"** (سورۃ الصف:9)

اے افواج! یہ سنہری موقع آپ کے ہاتھ میں ہے۔ خلافت کو قائم کریں، مشرق وسطیٰ کو اپنی قیادت تلے متحد کریں اور امریکہ کو مسلم علاقوں سے نکال باہر کریں۔ اللہ کا وعدہ اور اس کی نصرت آپ کے ساتھ ہے۔ دنیا ایک بہت بڑی تبدیلی کے دہانے پر آ کھڑی ہوئی ہے۔ آپ اپنے ایمان کی طاقت سے انصار مدینہ کی سنت پر چلتے ہوئے دنیا کو اسلام کی حکمرانی سے پھر سے روشناس کروا دیں۔

فہرست

# ایران کے لئے آپشنز

مھنّد مجتبیٰ–ولایہ پاکستان

تاریخ کا جائزہ لینے پر نظر آتا ہے کہ امریکہ نے طاقت کے گھمنڈ میں اور واحد سپر پاور ہونے کے تکبر کے نشے میں بدمست ہو کر 2001ء میں افغانستان پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور پھر 2003ء میں عراق پر چڑھائی کر کے وہاں قابض ہو بیٹھا۔ اس وقت کی امریکی حکومت، یعنی کلنٹن انتظامیہ نے 20 جنوری 2001ء کو جب اقتدار آنے والے صدر کے سپرد کیا، تو اپنے جانشین کے لئے امریکی خزانے میں سرپلس بجٹ چھوڑا، نیز 5.6 ٹریلین ڈالر کا قومی قرضہ، جو کہ ریاست کے وسائل کے مطابق قابلِ انتظام تھا اور ایک ایسی فوج چھوڑی جو دو محاذوں پر ایک ساتھ ڈیڑھ جنگ (1.5) لڑنے کی صلاحیت رکھتی تھی، یعنی ایک محاذ پر فیصلہ کن فتح حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اسی دوران دوسرے محاذ کو اس وقت تک سنبھالے رکھنا جب تک پہلے محاذ کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ یہاں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ان "ڈیڑھ جنگوں" کی اصطلاح سے مراد ایک طرف تو مشرقی یورپی میدانوں میں امریکہ کا روسی فوج کے خلاف محاذ ہے اور دوسری طرف کوریا کے خطے میں چین کے خلاف ممکنہ تنازعات تھے۔ اور آج کے حالات سے منصفانہ تقابلی موازنہ کرنے کے لئے اس وقت کے روس پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس وقت روس کی قیادت بورس یلسن (Boris Yeltsin) جیسے نااہل اور خمار زدہ شخص کے ہاتھ میں تھی، اور ویسے بھی سوویت یونین کے زوال کے بعد سے روس بنا کسی قیادت کے بے سمت ہو چکا تھا۔ جبکہ اس وقت کے چین پر نظر ڈالیں تو وہ ابھی تک تیانمین اسکوائر (Tiananmen Square) کے واقعے کے اثرات سے ہی نہ نکل پایا تھا اور اس واقعے سے وابستہ پابندیوں کے بعد سے خود کو سنبھال رہا تھا، اور اس کے علاوہ مختلف قسم کے عالمی فورمز جیسے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) اور جنرل ایگریمنٹ آن ٹیرف اینڈ ٹریڈ (GATT)، اور دیگر میں اپنی جگہ بنانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اور ادھر امریکی پالیسی ساز تھے کہ امریکی غلبے کے ایک نئے "ہزار سالہ دور" کے خواب دیکھ رہے تھے، اور امریکہ کے دانشور سوشلزم کو شکست دینے پر سرمایہ داریت کی فتح کا جشن مناتے ہوئے "تاریخ کا خاتمہ (End of History)" جیسے قصے لکھ رہے تھے۔

اب تقریباً 3 دہائیاں گزر جانے کے بعد 2026ء کے امریکہ پر نظر ڈالتے ہیں کہ جس کی حالت اب یہ ہو چکی ہے کہ امریکہ اپنے اس بیانیے پر اعتماد کھو چکا ہے کہ جس پر قواعد پر مبنی نظام (Rule-based Order) کی عمارت کھڑی کی گئی تھی—اور جسے گلوبلائزیشن کا نام دیا گیا تھا۔ آج کے امریکہ کو سالانہ دو ٹریلین ڈالر کے خسارے اور تقریباً 38.38 ٹریلین ڈالر کے قومی قرضے کا سامنا ہے اور اس

قرضے سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، اور اس کے علاوہ امریکہ ایک ایسی فوج کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے جو محض چند ہفتوں کی محدود فضائی جھڑپ میں ہی اپنے اسلحہ سے ہاتھ جھاڑ کر بیٹھ جاتی ہے۔ یاد رہے کہ جارج بش کے پاس اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کے لئے کوئی نہ کوئی جواز موجود تھا؛ لیکن ایران کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ کی اس نئی جنگ میں ٹرمپ کے پاس تو سوائے کھوکھلے دعوؤں کے اور ایک خالی خولی نقارہ بجانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

زیادہ پرانی بات نہیں لیکن ماضی میں کئی ایسے مواقع بھی گزرے ہیں جب کسی قوم کو بظاہر اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور دشمن کا سامنا کرنا پڑا، اور ایران کے لئے بھی ایسی ہی کئی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ امریکہ نے 1812ء کی جنگ میں اس وقت کی سپر پاور برطانیہ کے خلاف اپنا اسٹریٹجک مقابلہ جیت لیا تھا — حالانکہ اس جنگ میں امریکہ اپنے دارالحکومت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا تھا، اور کیپٹل ہِل کو جلا کر راکھ کر دیا گیا تھا اور برطانوی افواج کی پیش قدمی کے سامنے امریکی فوج واشنگٹن ڈی سی کو خالی کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اور اگرچہ برطانیہ نے اپنی حکمتِ عملی کی چالوں سے امریکہ کو نقصان تو ضرور پہنچایا، لیکن وہ امریکیوں کے لڑنے کے عزم کو توڑنے میں ناکام رہے، اور بظاہر نظر آنے والی امریکہ کی وہ ناکامی برطانیہ کی ماہرانہ کامیابی کو اسٹریٹجک شکست میں بدل گئی۔ اور ایسی ہی ایک اور مثال سمندر پار کے براعظم کی ہے جہاں عین اسی دوران بالکل ایسی ہی صورتحال پیدا ہو رہی تھی۔ نپولین نے 650,000 سپاہیوں پر مشتمل اپنی زبردست طاقتور اور اس وقت تک کی ناقابلِ شکست فوج کے ساتھ روس پر حملہ کر دیا، اور یکے بعد دیگرے کی جنگوں میں یورپی اتحادی افواج کو روندتے ہوئے وہ ماسکو تک جا پہنچا، اور یہاں تک کہ ماسکو کو اس کے سامنے خالی چھوڑ دیا گیا۔ نپولین مہینوں تک ماسکو میں یہ انتظار کرتا رہا کہ روسی آئیں اور شکست تسلیم کر کے مذاکرات کر لیں۔ مگر وہ نہیں آئے۔ نپولین بھی روسی قوم کے اپنا دفاع کرنے کے عزم کو توڑنے میں ناکام رہا جو اگرچہ مفتوحہ ہو چکی تھی۔ اور یوں نپولین کو مختلف عناصر کا مقابلہ کرتے ہوئے واپس فرانس کی طرف پیچھے ہٹنا پڑا، اور ان حالات میں اس نے اپنے 600,000 بہترین اور آزمودہ جنگجو سپاہی بھی کھو دیئے۔

اسی طرح دوسری جنگ عظیم کی مثال ہے، جس میں سوویت یونین کا موازنہ جرمنی سے کیا جائے تو سوویت یونین کو 27 ملین (دو کروڑ ستر لاکھ) جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا، جبکہ مشرقی محاذ پر جرمنی کا جانی نقصان تقریباً 4 ملین رہا تھا۔ یہ اعداد و شمار اس لئے بھی حیران کن ہیں کیونکہ جرمن ایک حملہ آور فوج تھی، اور عسکری روایات یہ بتاتی ہیں کہ عموماً حملہ آور کو دفاع کرنے والے کے مقابلے میں تین

گنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بہر حال یہ خالصتاً ایک پختہ عزم کا مظاہرہ تھا، جو روسی محاذ، اسٹالن گراڈ (Stalingrad) کے دفاع سے کہیں زیادہ نمایاں نظر آیا تھا۔

ایسا ہی سبق کوریا کی جنگ سے بھی ملتا ہے۔ 1953ء میں، امریکہ نے اپنی ایٹمی برتری کے نشے میں اور حالیہ فتح کی یادوں میں مست ہو کر ایک ایسے ملک کے خلاف جنگ چھیڑ دی جو محض چند سال پہلے تک مغرب کی ایک کالونی رہا تھا۔ امریکہ نے کوریا کے اس خطے پر اس قدر بم برسا دیئے جتنے اس نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران پورے بحر الکاہل کے محاذ پر بھی نہ برسائے تھے، یہاں تک کہ پیانگ یانگ (Pyongyang) شہر میں ایک عمارت تک سلامت نہ چھوڑی، اور رپورٹوں کے مطابق شمالی کوریا کا تقریباً 90 فیصد بنیادی شہری انفراسٹرکچر تباہ کر ڈالا تھا۔ لیکن اس کے باوجود امریکہ کوریا کے عزم کو نہ توڑ سکا۔ اور امریکہ ایک ایسی جنگ بندی کے مذاکرات کرنے پر مجبور ہوا جو شمالی اور جنوبی کوریا کے مابین باہمی تعلقات کے لیے آج تک موجود واحد معاہدہ ہے۔

ہمیں تاریخ میں اس طرح کی مثالیں بار بار نظر آتی ہیں۔ صرف چند ایک کا ہی ذکر کریں تو ویتنام، افغانستان، غزہ، عراق اور صومالیہ کے لوگوں نے شکست قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اور حالیہ صورتحال پر نظر ڈالیں تو ایران کے معاملے میں امریکہ کو یہ خام خیالی تھی کہ وینزویلا جیسا نتیجہ نکلے گا اور امریکہ کا اندازہ یہ تھا کہ ایران کے ساتھ جنگ چار ہی دنوں میں ختم ہو جائے گی۔ لیکن بہر حال ٹرمپ کا امریکہ —چاہے وہ خود کو جتنا بھی طاقتور کیوں نہ ظاہر کرلے— اب ویسا نہیں رہا جیسا اس وقت تھا جب اس نے 2 کروڑ 50 لاکھ تک کی آبادی کے ممالک، افغانستان اور عراق کے خلاف جنگ برپا کر دی تھی، اور اس وقت امریکہ کو افغانستان اور عراق کے پڑوسی ممالک کی بھرپور حمایت بھی حاصل تھی۔ لیکن اس صورتحال کے برعکس، ایران کا رقبہ 15 لاکھ مربع کلو میٹر ہے اور اس کی آبادی 9 کروڑ 30 لاکھ تک ہے —اور اس جنگ میں ایران کا ایک بھی اہم پڑوسی امریکہ کے ساتھ شامل نہیں ہے۔

ایران کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ امریکہ کو عسکری طور پر شکست دے دے، اسے اس جنگ میں صرف اپنی بقا کو ممکن بنانا ہے۔ لیکن اگر قومی ریاست (nation-state) کا نظام، امریکی اڈوں کا جال، اور عالمی نظام کے عناصر، جیسا کہ پیٹرو ڈالر، این پی ٹی (NPT)، ایف اے ٹی ایف (FATF)، آئی ایم ایف (IMF)، سوئفٹ (SWIFT)، سی ٹی بی ٹی (CTBT)، ایف ایم سی ٹی

(FMCT)، اے بی ایم (ABM) معاہدہ وغیرہ اسی طرح برقرار رہے، تو ایرانی عوام کی قربانی رائیگاں جائے گی۔ آخر کار، یہ ایک سیاسی جنگ ہے۔ امریکہ کو سیاسی طور پر شکست دینا ضروری ہے، اور شطرنج کی اس بساط پر جو پہلا مہرہ گرایا جانا چاہیے، وہ قومی ریاست (nation-state) کا فریم ورک ہے۔

اس خطے کو اپنی سکیورٹی کے لئے امریکہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اسے امریکہ سے اپنا بچاؤ کرنے کی ضرورت ہے۔ استعماری مغرب نے خلیج کی چھوٹی چھوٹی اور کمزور ریاستیں محض اس لئے تخلیق کی تھیں تاکہ امت کے وسائل کو ہڑپ کیا جاسکے۔ پاکستان کی مسلح افواج پہلے ہی اس خطے میں موجود ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ پورے استعماری ڈھانچے کو لپیٹ کر کوڑے دان میں پھینک دیا جائے — خواہ اس کا مطلب سائیکس-پیکو (Sykes-Picot) کی تقسیم ہو، ڈیورنڈ لائن (Durand Line) کی کھینچی گئی لکیر ہو، یا اسلامی سرزمین کے وہ حصے بخرے ہوں جو ریڈکلف (Radcliffe) نے کئے تھے۔

موجودہ صورتحال کا واحد حل اور آگے بڑھنے کا واحد راستہ صرف خلافت ہی ہے۔ خلافت کے علاوہ اور کوئی بھی منصوبہ امریکہ کو ایسے مواقع فراہم کرتا رہے گا کہ جن کے ذریعے وہ مختلف ذرائع سے امت مسلمہ کو اپنے قابو میں رکھنے کے قابل رہے۔

فہرست

# امریکہ-ایران کے مابین پاکستان کے حکمرانوں اور ملٹری کمانڈروں کی دلالی

استاد بلال المہاجر، ولایہ پاکستان

امام مسلم اور امام بخاری جیسے عظیم علمائے کرام کی سرزمین، ایران کے خلاف امریکی اور یہودی صلیبی مہم کا آغاز ہوئے چھ ہفتوں سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، اور اس کے بعد سے اب دنیا دو کیمپوں میں بٹ چکی ہے: ایک گروہ وہ ہے جو اس صلیبی مہم اور ایران پر حملے کی حمایت کر رہا ہے، اور دوسرا گروہ وہ ہے جو ہاتھ پر ہاتھ دھرے، کوئی انگلی تک ہلائے بغیر حالات کو محض تماشائی کی طرح دیکھ رہا ہے، اس گروہ میں یورپی ممالک، روس اور کسی حد تک چین بھی شامل ہے۔ جہاں تک ان کا تعلق ہے جنہوں نے اس صلیبی مہم کا ساتھ دیا ہوا ہے، تو وہ اس خطے میں مسلم دنیا کے حکمرانوں اور ملٹری کمانڈروں میں موجود امریکہ کے ایجنٹ اور پیروکار ہیں، بالخصوص ایران کے اطراف میں زک پہنچانے والی ریاستوں کے حکمران اور ملٹری کمانڈر ہیں، اور ان سب کی فہرست میں سرفہرست پاکستان کے حکمران اور فوجی کمانڈر ہیں، جن کا کردار اپنی قبیح ترین شکل میں کھل کر سامنے آ گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے، ﴿**مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا**﴾ **"وہ اسی (تردد) میں درمیان میں ہی لٹک رہے ہیں نہ ان (مومنوں) کی طرف (پورے ہوتے ہیں) اور نہ ان (کافروں) کی طرف۔ اور جس کو اللہ بھٹکا دے تو تم اس کے لئے (ہدایت کا) کوئی راستہ نہ پاؤ گے"** (سورۃ النساء: 4:143)

ان حکمرانوں اور کمانڈروں کا یہ موقف ان کی منافقت، کم ظرفی اور تمام اعلیٰ اقدار سے ان کے بے پرواہ ہونے کا عکاس ہے۔ انہوں نے نہ تو ایک مسلمان ہونے کا یہ حق ادا کیا کہ وہ دشمن کے خلاف اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرے، اور نہ ہی انہوں نے پڑوس کے اس حق کا پاس رکھا جس کی تاکید رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی تھی، «مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ» "جبرائیلؑ مجھے پڑوسی کے بارے میں مسلسل اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے" (ترمذی)۔ حتیٰ کہ ان حکمرانوں اور کمانڈروں نے ایک ہی نسل، قبیلے اور خاندان سے تعلق رکھنے والے بھائیوں اور پڑوسیوں کے درمیان خون اور قرابت داری کے قابلِ احترام رشتوں کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا۔ دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو، پاکستان کے حکمران اور فوجی کمانڈر نہ تو اسلام کے شرعی احکامات کو کسی خاطر میں لائے ہیں، حالانکہ جس دین کی پیروی کا وہ دعویٰ کرتے ہیں، اور نہ ہی وہ قبل از اسلام کی عرب جاہلیت کی قبائلی عصبیت (کی غیرت) کے کسی درجے تک پہنچ سکے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ حکمران تو ابوجہل جیسی غیرت کی اقدار اور ان قبائلی رشتوں کو نبھانے میں بھی ناکام رہے جو دونوں ملکوں کے درمیان موجود نام نہاد سرحد کے دونوں طرف بسنے والے ان کے اپنے ہی ہم نسل لوگوں کو باہمی تعلق میں جوڑتے ہیں۔

ایران کے خلاف صلیبی مہم کے آغاز سے ہی پاکستان کے حکمران اور فوجی کمانڈر اس حد تک متحرک ہو چکے ہیں کہ فیلڈ مارشل عاصم منیر نے اپنی نیندیں حرام کر لی ہیں اور وہ دونوں ملکوں کے درمیان نام نہاد جنگ بندی اور کشیدگی میں کمی کے لئے امریکہ اور ایران کے درمیان جنونی حد تک ثالثی کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے عاصم منیر دونوں فریقوں سے برابر کے فاصلے پر کھڑے ہوں، حالانکہ ان پر یہ بات واضح ہونی چاہیے تھی کہ انہیں اپنے بھائی، اپنے پڑوسی اور اپنے اقاربین کے ساتھ کھڑا ہونا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: «انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا» "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"۔ ایک شخص نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اگر وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کروں گا، لیکن اگر وہ خود ظالم ہو تو میں اس کی مدد کیسے کروں؟"، آپ ﷺ نے جواب دیا: **«تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ، فَإِنَّ ذَلِكَ نَصْرُهُ» "تم اسے ظلم کرنے سے روک دو، یہی اس کی مدد ہے"**۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ پاکستان کے فوجی کمانڈروں اور حکمرانوں کا خیال ہے کہ ایران ظالم ہے اور یہ ایران ہی ہے جسے انہیں ظلم کرنے سے روکنا چاہیے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ "درحقیقت، آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں، بلکہ دل جو سینوں میں ہیں، وہ اندھے ہو جاتے ہیں"** (الحج: 22:46)

پاکستان کے حکمرانوں اور فوجی کمانڈروں کے غدارانہ اقدامات میں سے ایک اقدام، بروز جمعہ، 18 اپریل، 2026ء کو ترکی کے شہر، انطالیہ میں ترکی، مصر، پاکستان اور سعودی عرب کے وزرائے خارجہ کا تیسرا اجلاس منعقد کروانا تھا۔ اس اجلاس کی تمام تر توجہ امریکہ اور ایران کے درمیان پاکستانی ثالثی کی حمایت اور علاقائی حالات، جیسے کہ جنگ بندی اور کشیدگی میں کمی، پر تبادلہ خیال کرنے پر مرکوز تھی۔ شرکاء میں ترک وزیر خارجہ ہاکان فیدان، سعودی وزیر خارجہ فیصل بن فرحان، مصری وزیر خارجہ بدر عبد العاطی اور پاکستانی نائب وزیر اعظم اسحاق ڈار شامل تھے۔ تاہم، اس ثالثی اجلاس کے پس پردہ اصل متحرک قوت پاکستان کے فوجی کمانڈر اور حکمران تھے، جو حقیقت میں ثالثی نہیں بلکہ امریکی اور یہودی فریق کے ساتھ صریح ہم آہنگی اور ان کی جانبداری تھی۔ پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت کی جانب سے کئی گھنٹے صرف کرنے کے بعد تاکہ وہ امریکہ کی خاطر اسی کی قیادت میں اتحاد حاصل کر کے ایک ایسی کامیابی حاصل کر سکیں، جسے امریکہ میدانِ جنگ میں حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا، اس لئے ان حکمرانوں اور کمانڈروں نے اسلام آباد میں اس اتحاد کے لیڈران اور ایرانی مذاکراتی ٹیم کے درمیان ملاقات کا انتظام کیا۔

ان ایجنٹوں کی جانب سے مذاکرات کے دوران اپنے آقاؤں کے لئے فتح حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد، انہوں نے پاکستان کی مسلمان مسلح افواج کو دشمن کے محاذ پر بھیج دیا، تاکہ وہ فتح عسکری طور پر اور طاقت کے زور پر حاصل کی جا سکے، اور اس کے لئے ایسے بہانے تراشے گئے جن پر ایک دودھ پیتا بچہ بھی یقین نہ کرے! بہانہ یہ بنایا گیا کہ پاکستان اور سعودی عرب کے درمیان ایک مشترکہ دفاعی معاہدہ ہے! تو کیا یہ مشترکہ دفاعی معاہدہ خطے میں امریکی مفادات اور اس کے ایجنٹوں، یعنی آلِ سعود کے حکمرانوں کا تحفظ کرنے کے

لئے تھا، خواہ اس کے لئے کسی مسلم ملک میں مسلمانوں کی کھوپڑیوں پر ہی کیوں نہ کھڑا ہونا پڑے؟! اور کیا خود حجازِ مقدس کو آلِ سعود کے حکمرانوں، جو کہ امریکہ کے ایجنٹ ہیں، ان سے پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ جنہوں نے اس مبارک سرزمین کو صلیبی امریکی افواج کے لئے پوری طرح کھول دیا ہے تاکہ وہ وہاں ایسے فوجی اڈے قائم کریں جہاں سے وہ عظیم علمائے کرام، امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ کی سرزمین (ایران) میں ہمارے ہی لوگوں کے خلاف حملے کریں اور بمباری کریں، بالکل ویسے ہی جیسے انہوں نے اس سے پہلے خلیفہ ہارون الرشید کی سرزمین، عراق پر ادھر سے ہی حملہ کیا تھا؟! پاکستان پر یہ فرض تھا کہ وہ عسکری طور پر ایران کے ساتھ کھڑا ہوتا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے 'میثاقِ مدینہ' میں تحریر فرمایا تھا، **»وأن سلم المؤمنين واحدة لا يسالم مؤمن دون مؤمن في قتال في سبيل الله إلا على سواء وعدل بينهم« "مومنوں کی صلح ایک ہے؛ اللہ کی راہ میں قتال کے دوران کوئی مومن دوسرے مومن کو چھوڑ کر صلح نہیں کرے گا مگر ان کے درمیان برابری اور عدل کی بنیاد پر"۔**

اور یہ امر اس مؤقف کے بالکل برعکس ہے کہ امریکہ کے ایماء پر اور اس کے فائدے کے لئے ثالث کا کردار ادا کیا جائے، اور ایران پر دباؤ ڈالنے کے ایک حربے کے طور پر پاکستان کے فوجیوں کو سعودی عرب بھیج دیا جائے۔

ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے لئے حمایت صرف اسی صورت میں معتبر ہوتی ہے جب وہ حقیقت میں بھائی بھائی ہوں، نہ کہ محض دکھاوے یا منافقت کے طور پر، جیسا کہ پاکستان کے حکمرانوں اور فوجی کمانڈروں کا معاملہ ہے جن کے بارے میں کفر کے سرغنہ، ٹرمپ نے یہ کہہ کر تعریف کی، "فیلڈ مارشل بہترین اور زبردست ہیں۔ پاکستان کے وزیرِ اعظم واقعی شاندار آدمی ہیں اس لئے شاید میں وہاں جاؤں"؛ اس نے اس بات پر زور دیا کہ اگر معاہدے پر دستخط ہو گئے تو وہ ان کی عزت افزائی اور انہیں خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے اسلام آباد جا سکتا ہے! چنانچہ پاکستان کی فوجی قیادت اور حکمرانوں پر عرب شاعر، المتنبي کے اس قول کا الٹ صادق آتا ہے، **(وَإِذَا أَتَتْكَ مَذَمَّتِيْ مِنْ نَاقِصٍ، فَهِيَ الشَّهَادَةُ لِيْ بِأَنِّيْ كَامِل) "اگر کسی کم ظرف کی طرف سے میری مذمت سامنے آئے، تو یہ میرے کامل ہونے کی گواہی ہے"۔**

اگر پاکستان کے حکمران اور فوجی کمانڈر محمد بن قاسمؒ یا صلاح الدین ایوبیؒ جیسے ہوتے، تو وہ امریکہ کی کمزوری اور ایران پر فوجی فتح حاصل کرنے میں اس کی نااہلی کا فائدہ اٹھاتے، اور اپنے ایرانی بھائیوں کی امداد کو پہنچتے اور امریکہ اور اس کے بحری بیڑوں کو خلیج میں ہی غرق کر دیتے۔ آلِ سعود کے تخت و تاج کی حفاظت کے لئے فوجیں بھیجنے کی بجائے، وہ اپنا مشن سرزمینِ حرمین کو آلِ سعود کے حکمرانوں کی گندگی سے آزاد کرانے اور رسول اللہ ﷺ کی سرزمین کو امریکی اڈوں اور بحری جہازوں سے پاک کرنے میں بدل دیتے۔ وہ سرزمینِ حرمین سے نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لئے حزب التحریر کو اپنی نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کرتے، اور اہلِ خرسان کو

خلافت کی اطاعت اور اس کے ساتھ الحاق کی پیشکش کرتے، اور وہ خلافت انہیں ان کی موجودہ مشکل صورتحال سے نجات دلاتی۔ اس کے بعد خلیفہ حجاز، خراسان اور پاکستان کو ایک ہی دن میں متحد کر دیتا، اور یوں پلک جھپکتے ہی ایک عظیم طاقت کا جنم ہو جاتا۔

تو کیا راولپنڈی اور حجاز میں موجود پاکستان آرمی کے مخلص ارکان اٹھ کھڑے ہوں گے اور دونوں ممالک میں موجود غداروں کے تخت الٹ ڈالیں گے، اور اپنی نصرۃ (عسکری مدد) اس سچے قائد کو دیں گے جو ان کی اور ان کے فوجی و فکری عقیدے کی حقیقی نمائندگی کرتا ہے؟ یا پھر وہ بھی اسی غدار قیادت کے پیچھے لگے رہیں گے یہاں تک کہ امریکہ ایران پر قابض ہو جائے اور اسلام آباد میں مذاکرات کی میز پر فتح حاصل کر لے، جبکہ اس کے بعد خود اسلام آباد کا نمبر ہو؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، **﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کروگے، تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا"** (سورۃ محمد؛ 47:7)

فہرست

# پاکستان کے حکمرانوں کو شیطان امریکہ کے لیے ثالثی کرنے کی بجائے مسلم سرزمین کے دفاع کے لیے لڑنا چاہیے

شہزاد شیخ، ولایہ پاکستان

18 اپریل 2026 کو، پاکستان کے فیلڈ مارشل اور وزیر اعظم نے الگ الگ سفارتی دورے مکمل کیے جن کا مقصد امریکہ ایران تنازع کے خاتمے کی کوششوں کو آگے بڑھانا تھا۔ فیلڈ مارشل عاصم منیر تہران سے روانہ ہوئے اور وزیر اعظم شہباز شریف ترکی سے واپس آئے۔ منیر نے تہران کے تین روزہ دورے کے دوران ایرانی قیادت اور امن مذاکرات کاروں سے ملاقاتیں کیں، جبکہ پاکستان کے وزیر اعظم شہباز شریف نے امن عمل کو آگے بڑھانے کے لیے سعودی عرب، قطر اور ترکی کا دورہ کیا۔

ایران اور امریکہ کے درمیان جنگ کے آغاز کے بعد سے پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت سفارتی محاذ پر جارحانہ انداز میں مصروفِ عمل ہو گئی تھی۔ یہ سفارتی مصروفیت اس وقت امریکہ اور ایران کے درمیان ثالثی میں بدل گئی جب 7 اپریل 2026 کو امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ٹروتھ سوشل پر ایک پوسٹ جاری کرتے ہوئے متنبہ کیا کہ اگر ایران جاری جنگ کے خاتمے اور آبنائے ہرمز کو دوبارہ کھولنے کے لیے کسی معاہدے پر نہیں پہنچا تو **"آج رات پوری تہذیب مر جائے گی۔"**

8 اپریل 2026 کو پاکستانی وقت کے مطابق صبح 4:50 بجے، پاکستان کے وزیر اعظم نے X (ایکس) پر اعلان کیا، "مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ اسلامی جمہوریہ ایران اور امریکہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ، لبنان اور دیگر جگہوں سمیت، فوری طور پر فائر بندی پر اتفاق کیا ہے۔" اس اعلان کے بعد 11 اور 12 اپریل کو اسلام آباد میں ایران اور امریکہ کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ مذاکرات کے اختتام پر نائب امریکی صدر نے اعلان کیا کہ ہم ایران کے ساتھ کسی معاہدے پر نہیں پہنچے ہیں لیکن ہم نے اپنی حتمی پیشکش کر دی ہے۔ 8 اپریل کو اعلان کردہ جنگ بندی 21 اپریل تک برقرار رہے گی۔ لہٰذا پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت جنگ بندی کی مدت ختم ہونے سے پہلے امن معاہدہ کرانے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔

پاکستان میں حکومت اپنی کوششوں کی تصویر کشی ایسی کر رہی ہے کہ گویا وہ ایران کے مسلمانوں اور پوری دنیا کو اس جنگ کے تباہ کن اثرات سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے اور ساتھ ہی پاکستان کا قد بھی بلند کر رہی ہے۔

تاہم، پاکستان کی حکومت دراصل امریکہ کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ امریکہ اپنے جنگی مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے جبکہ اس جنگ کے متعلق ٹرمپ کا خیال تھا کہ چند دنوں میں ختم ہو جائے گی۔ ایران نے نہ صرف امریکہ اور اس کے حامی یہودی

وجود کے ابتدائی شدید وحشیانہ حملوں کو برداشت کیا بلکہ اُس نے منہ توڑ جواب دیا۔ اوران منہ توڑ جواب سے بڑھ کر ایران نے آبنائے ہرمز کو بند کر دیا جس سے دنیا کے 20 فیصد تیل کی سپلائی گزرتی ہے۔ امریکہ پوری کوشش کے باوجود آبنائے ہرمز نہ کھول سکا کیونکہ اس کے اتحادی نیٹو نے اسے مکمل طور پر تنہا چھوڑ دیا اور ہرمز کھولنے میں امریکہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس صورتحال کے نتیجے میں تیل کی قیمتیں آسمان کو چھونے لگیں۔ چنانچہ جب 38 دن کی بمباری اور دھمکیوں کے بعد بھی امریکہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہا تو وہ جنگ بندی پر آمادہ ہو گیا اور اب مذاکرات کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو وہ میدان جنگ میں حاصل نہیں کر سکا۔ اس گھمبیر اور پریشان کُن صورتحال سے امریکہ کو نکالنے کے لیے ایک بار پھر پاکستان کے حکمرانوں نے واشنگٹن میں بیٹھے اپنے آقاؤں کے سامنے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

یہ پہلا موقع نہیں جب پاکستان کے حکمرانوں نے امریکہ کو اپنی خدمات پیش کی ہوں، جب امریکہ کو مدد کی اشد ضرورت تھی۔ پاکستان کی طرف سے اس طرح کی مدد کے بہت سے واقعات ہیں اور ہر ایسی اہم مدد کے بعد پاکستان کو ہمیشہ امریکہ نے تنہا چھوڑ دیا۔ پاکستان کی طرف سے ایسی ہی ایک مدد جولائی 1971 میں کی گئی تھی جب امریکہ نے پاکستان کی مدد سے چین کے ساتھ رابطہ قائم کیا تھا۔ اس وقت کمیونسٹ بلاک کے پاس دو بہت بڑے ممالک سوویت یونین (موجودہ روس) اور چین تھے۔ بین الاقوامی میدان میں، چین نے امریکہ کی سربراہی میں سرمایہ دارانہ دنیا کا مقابلہ کرنے کے لیے سوویت یونین کی پالیسیوں کی پیروی کرتا تھا۔ امریکہ چین کو سوویت یونین سے الگ کرنے کے لیے بے چین تھا، لیکن اس کے چین کے ساتھ معمول کے سفارتی تعلقات بھی نہیں تھے جو اسے چین کو سوویت یونین کے دائرے سے دور کرنے میں مدد دیتے۔ جولائی 1971 میں، امریکی قومی سلامتی کے مشیر ہنری کسنجر نے چین کا ایک خفیہ، اہم دورہ کیا، جس کے لیے پاکستان نے سہولت فراہم کی، جس سے امریکہ اور چین کے درمیان سفارتی تعلقات قائم ہوئے۔ پاکستان کو بیک چینل کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اور راولپنڈی سے بیجنگ کے لیے پی آئی اے کے طیارے کا استعمال کرتے ہوئے، اس 64 گھنٹے کے مشن نے صدر نکسن کے 1972 کے دورے کی بنیاد رکھی اور آخرکار امریکہ چین کو سوویت یونین سے الگ ہونے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جس سے کمیونسٹ بلاک کمزور ہو گیا۔

پاکستان کو امریکہ کی اس "عظیم" خدمات کا کیا انعام ملا؟ دسمبر 1971 میں جب بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا تو امریکہ نے بھارت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اور بالآخر پاکستان اپنے مشرقی بازو سے محروم ہو گیا۔ امریکہ کی خدمت کر کے پاکستان کو کتنا بڑا فائدہ ہوا۔

1960 کی دہائی میں جنرل ایوب خان، 1970 میں جنرل یحییٰ خان، 1980 کی دہائی میں جنرل ضیاء اور 2000 میں جنرل مشرف، ان سب حکمرانوں نے امریکہ کی مدد کی اور اپنے آقا، امریکہ سے "زبردست" تعریفیں حاصل کیں، لیکن جب کچھ عرصے

کے بعد یہ حکمران اور پاکستان امریکی خارجہ پالیسی کے اہداف کے حصول کے لیے غیر متعلق ہوگئے تو امریکہ نے ان حکمرانوں اور پاکستان کو تنہا چھوڑ دیا۔ اسی صورتحال اور انجام کا سامنا منیر، شہباز اور پاکستان کریں گے۔ کیا پاکستان کے حکمران طبقے اور پالیسی ساز حلقوں میں ایسے باشعور لوگ نہیں ہیں جو دیوار پر لکھا ہوا دیکھ سکیں؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں امریکہ کے سانپ کا سر کاٹ کر اسے اپنے خطے سے نکال باہر کرنے کا بہترین موقع فراہم کیا ہے، اگر آج افواج میں موجود مخلص افسران خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو اپنا فوجی تعاون (نصرہ) دیں۔ ساری دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ اگر صرف آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی ہی شیطان کی بادشاہت اور اس کے بین الاقوامی نظام کو جھنجھوڑ سکتی ہے تو پھر اُس وقت کیا ہو گا جب خلافت انڈونیشیا اور ملائیشیا کے درمیان واقع آبنائے ملاکا سے لے کر مصر کی نہر سویز تک پانی کے تمام راستوں کو کنٹرول کر رہی ہو گی۔ نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام اور امت مسلمہ کو ایک خلیفہ کے تحت یکجا کرنے کے بعد، ہم، امت اسلامیہ، دنیا کے معاملات پر غلبہ پانے والی واحد طاقت ہو گی، جو انسانیت کو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے مصائب سے نجات دلائے گی اور ہر ایک کو امن وخوشحالی فراہم کرے گی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾ "اے ایمان والو اگر تم اللہ کے کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔** (محمد:7)"

فہرست

# سوال وجواب: امریکہ اور انڈونیشیا کے درمیان "میجر ڈیفنس کوآپریشن پارٹنرشپ (MDCP)"

حزب التحریر

**سوال:**

13 اپریل 2026 کو، امریکی وزیرِ دفاع اور انڈونیشیا کے وزیرِ دفاع نے امریکہ اور انڈونیشیا کے درمیان 'میجر ڈیفنس کوآپریشن پارٹنرشپ (MDCP) ' کے قیام کا اعلان کیا۔ اس سے قبل، امریکی محکمہ دفاع کی ایک خفیہ دستاویز انڈونیشیا کی فضائی حدود سے امریکی طیاروں کی ہمہ گیر پروازوں (comprehensive overflights) کی اجازت دینے کے حوالے سے منظرِ عام پر آچکی تھی۔ اس معاہدے کا متن کیا ہے اور اس کے مضمرات کیا ہیں؟ انڈونیشیا کے امریکہ کے ساتھ تعلقات پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اور انڈونیشیا کے چین کے ساتھ تعلقات پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

**جواب:**

اس معاملے کی وضاحت کے لیے، درج ذیل نکات کا جائزہ لیتے ہیں:

1- 13 اپریل 2026 کے مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ، "امریکی وزیرِ جنگ اور انڈونیشیا کے وزیرِ دفاع، امریکہ اور انڈونیشیا کے درمیان 'میجر ڈیفنس کوآپریشن پارٹنرشپ (MDCP) ' کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ یہ اعلان علاقائی استحکام کو فروغ دینے میں انڈونیشیا کے اہم کردار کی عکاسی کرتا ہے اور دوطرفہ دفاعی تعلقات کی مضبوطی اور صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ 'ایم ڈی سی پی (MDCP) ' کا مقصد دوطرفہ دفاعی تعاون کو آگے بڑھانے کے لیے ایک رہنماء فریم ورک کے طور پر کام کرنا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ، دونوں ممالک ہند-بحرالکاہل (Indo-Pacific) خطے میں امن و استحکام برقرار رکھنے کے اپنے مشترکہ عزم کا اعادہ کرتے ہیں۔ ایم ڈی سی پی کے تین بنیادی ستون ہیں جن پر باہمی احترام اور قومی خود مختاری کی بنیاد پر عمل درآمد کیا جائے گا: (1) فوجی جدید کاری اور استعدادِ کار میں اضافہ؛ (2) تربیت اور پیشہ ورانہ فوجی تعلیم؛ اور (3) مشقیں اور آپریشنل تعاون"۔

2- اس مشترکہ اعلامیے کے جاری ہونے سے دو دن قبل، 12 اپریل 2026 کو بھارتی اخبار 'سنڈے گارڈین' نے اپنی ویب سائٹ پر انکشاف کیا تھا کہ: "امریکی دفاعی محکمے کی ایک خفیہ دستاویز میں امریکی فوجی طیاروں کے لیے انڈونیشیا کی فضائی حدود تک بلا روک ٹوک رسائی حاصل کرنے کا منصوبہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ پیش رفت انڈونیشیا کے صدر پرابوو سوبیانتو اور ڈونلڈ ٹرمپ کے درمیان واشنگٹن میں فروری میں ہونے والی ملاقات کے بعد سامنے آئی ہے، جو انڈو پیسیفک خطے میں امریکہ کی آپریشنل رسائی کو وسعت دینے کی جانب ایک اہم قدم ہے۔ پرابوو نے 18 سے 20 فروری 2026 تک 'بورڈ آف پیس سمٹ' میں شرکت کے لیے واشنگٹن ڈی سی کا دورہ کیا تھا۔ ایک خفیہ امریکی دستاویز میں موجود تفصیلات کے مطابق، اس دورے کے دوران ٹرمپ کے ساتھ دو طرفہ ملاقات میں انہوں نے امریکی طیاروں کو انڈونیشیا کی فضائی حدود سے گزرنے کے لیے ہمہ گیر اجازت دینے کی تجویز منظور کی تھی۔" (سنڈے گارڈین، 12 اپریل 2026)۔

3۔ اخبار نے خفیہ دستاویز کا حوالہ دیتے ہوئے مزید لکھا کہ، "اس عزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، امریکی وزارتِ جنگ نے 26 فروری کو انڈونیشیا کی وزارتِ دفاع کو ایک دستاویز ارسال کی جس کا عنوان 'امریکی پروازوں کو عملی جامہ پہنانا' (Operationalizing U.S. Overflight) تھا۔ اس دستاویز میں ایک باضابطہ مفاہمت کی تجویز دی گئی ہے جس کے تحت انڈونیشیا امریکی فوجی طیاروں کو ہنگامی آپریشنز، بحرانی صورتحال سے نمٹنے کے مشنوں اور باہمی طور پر طے شدہ فوجی مشقوں کے لیے اپنی فضائی حدود استعمال کرنے کی اجازت دے گا۔ متن میں درج ہے کہ اس انتظام کا مقصد یہ ہے کہ 'انڈونیشیا کی حکومت امریکی طیاروں کو ہنگامی آپریشنز، بحرانوں کے حل اور باہمی اتفاقِ رائے سے ہونے والی مشقوں سے متعلق سرگرمیوں کے لیے انڈونیشیا کی فضائی حدود سے بلا روک ٹوک گزرنے (blanket overflight) کی منظوری دے'۔ اس میں مزید یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ 'امریکی طیارے محض اطلاع دے کر براہِ راست گزر سکتے ہیں جب تک کہ امریکہ کی جانب سے اس سہولت کو غیر فعال کرنے کی دوسری اطلاع نہ دی جائے'؛ جس کا سادہ مطلب یہ ہے کہ ایک بار یہ طریقہ کار شروع ہو گیا تو مستقل رسائی حاصل رہے گی"۔

4۔ پھر انڈونیشیا کے وسیع و عریض مجمع الجزائر (archipelago) سے متعلق ایک اور معاملہ ہے، جو مشرق سے مغرب تک 5,000 کلومیٹر سے زیادہ رقبے پر پھیلا ہوا ہے اور بحرِ ہند و بحر الکاہل کے درمیان اہم فضائی راہداریوں پر مشتمل ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو اس رسائی کو واشنگٹن کے لیے سٹریٹیجک طور پر انتہائی قیمتی بناتی ہے۔ انڈونیشیا کی تمام فضائی حدود کی قانونی حیثیت ایک جیسی نہیں ہے۔ سمندروں کے قانون سے متعلق اقوامِ متحدہ کے کنونشن (UNCLOS) کی دفعہ 53 کے تحت، مخصوص کردہ 'جزائری سمندری گزرگاہوں— (ALKIs)' یعنی آبنائے سنڈا، آبنائے لومبوک-مکاسر، اور آرو سمندری گزرگاہ —میں بحری جہازوں اور طیاروں کے گزرنے کے مخصوص حقوق حاصل ہیں۔ انڈونیشیا ان حقوق کو معطل نہیں کر سکتا۔ تاہم، یہ تمام گزرگاہیں شمال سے جنوب کی طرف جاتی ہیں۔ دوسری جانب، گوام، فلپائن، آسٹریلیا یا ڈیاگو گارسیا کو ملانے والے امریکی آپریشنل راستے عموماً مشرق سے مغرب کی طرف

جاتے ہیں۔ یہ راستے ایسی فضائی حدود سے گزرتے ہیں جو سنہ 2002 کے انڈونیشیائی قانون نمبر 37 کے مطابق ابھی تک کسی مخصوص کردہ جزائری گزر گاہ کا حصہ نہیں بنی ہیں۔ اس کنونشن (معاہدے) کا اصل خطرہ اسی بات میں پوشیدہ ہے! یہ ان مشرقی-مغربی راہداریوں تک رسائی کی اجازت دے دیتا ہے جن میں امریکہ طویل عرصے سے دلچسپی رکھتا ہے، جیسا کہ امریکی محکمہ خارجہ نے اپنی 2014 کی رپورٹ "سمندروں کی حدود (The Limits in the Seas) "میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ بین الاقوامی قانون کے تحت ان راہداریوں کو کھلا ہونا چاہیے۔

5۔ مزید یہ کہ، "بحرانی صورتحال سے نمٹنے (crisis response) "کی اصطلاح اتنی وسیع ہے کہ اس میں انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد اور حملے کی پہل (strike initiative) دونوں شامل ہو سکتے ہیں۔ "ہنگامی آپریشنز (Emergency operations) "کا مطلب قدرتی آفات میں امدادی سرگرمیوں کی ہم آہنگی سے لے کر بحیرہ جنوبی چین یا اس سے آگے کے فوجی آپریشنز تک کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

لہٰذا، ہمہ گیر رسائی یا "ہمہ گیر فضائی گزرگاہ (comprehensive overflight) "کے نظام کے تحت، انڈونیشیا انفرادی بنیادوں پر ان آپریشنز کے درمیان مؤثر طریقے سے فرق نہیں کر سکے گا۔ اگر کوئی امریکی طیارہ کسی تیسرے ملک کے خلاف فوجی آپریشن کے لیے انڈونیشیا کی فضائی حدود استعمال کرتا ہے، تو جکارتہ کی نیت یا پیشگی اطلاع سے قطع نظر، انڈونیشیا ایک سہولت کار بن جائے گا۔ وہ تیسرا ملک انڈونیشیا کے ارادوں اور معاہدے کی تفصیلات کو نظر انداز کر دے گا اور انڈونیشیائی سرزمین کو محض امریکی افواج کے لیے ایک گزرگاہ (transit corridor) تصور کرے گا۔

6- اس خفیہ دستاویز اور امریکہ-انڈونیشیا دفاعی تعاون کے معاہدے پر چین کے موقف کے حوالے سے، چینی پیپلز لبریشن آرمی سے منسلک سرکاری میڈیا ادارے "گلوبل ٹائمز" نے اپنے 'ایکس' اکاؤنٹ پر پوسٹ کیا: "جب چینی وزارتِ خارجہ کے ترجمان گو جیاکیانگ سے انڈونیشیا کی جانب سے امریکی فوج کو اپنی سرزمین پر پرواز کی اجازت دینے کی تجویز اور واشنگٹن و جکارتہ کے فوجی تعلقات پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا، تو انہوں نے جمعہ 17 اپریل 2026 کو بیان دیا کہ 'آسیان چارٹر اور جنوب مشرقی ایشیا میں دوستی اور تعاون کا معاہدہ واضح طور پر کہتا ہے کہ رکن ممالک علاقائی امن، سلامتی اور خوشحالی کو فروغ دینے کی مشترکہ ذمہ داری رکھتے ہیں، اور وہ ایسی کسی بھی پالیسی یا سرگرمی میں شامل نہیں ہو سکتے، جس میں اپنی سرزمین کا استعمال بھی شامل ہے، جو رکن ممالک کی خود مختاری اور علاقائی سالمیت کے لیے خطرہ بنے''۔ گو نے مزید کہا کہ "ہمارا پختہ یقین ہے کہ ممالک کے درمیان دفاعی اور حفاظتی تعاون کسی تیسرے فریق کے مفادات کو نشانہ بنانے یا اسے نقصان پہنچانے والا نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی اسے علاقائی امن و استحکام پر اثر انداز ہونا چاہیے"۔

7۔بحرِ ہند-بحر الکاہل (انڈوپیسیفک) خطے میں جاپان، جنوبی کوریا، فلپائن، تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کے امریکہ کے ساتھ باہمی دفاعی معاہدے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی حملے کی صورت میں امریکہ اپنے شراکت دار کا دفاع کرنے کا پابند ہے۔ دریں اثنا، سنگاپور جنوب مشرقی ایشیا میں واشنگٹن کے قریبی ترین سیکیورٹی شراکت داروں میں سے ایک ہے، اگرچہ وہ باضابطہ طور پر کوئی دفاعی معاہدہ کرنے والا حلیف نہیں ہے۔ 2005 کے اسٹریٹجک فریم ورک معاہدے کے تحت، امریکہ نے سنگاپور کو ایک بڑے سیکیورٹی تعاون کے شراکت دار کے طور پر تسلیم کیا۔ بعد ازاں سنگاپور اور امریکہ نے 2015 میں ایک 'توسیع شدہ مشترکہ دفاعی تعاون کے معاہدے' پر دستخط کیے، جس میں بائیو سیکیورٹی، سائبر سیکیورٹی، انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد، آفات میں ریلیف اور تزویراتی رابطوں کے شعبوں میں تعاون کی وضاحت کی گئی ہے (ایشیا نیوز چینل، 20 اپریل 2026)۔

8۔ ایم ڈی سی پی (MDCP) معاہدے کا باریک بینی سے جائزہ لینے پر درج ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

**الف:** یہ معاہدہ امریکہ کے لیے بحری شعبے میں اپنی مداخلت بڑھانے اور آبنائے ملاکا پر اپنا کنٹرول مضبوط کرنے کی راہ ہموار کرتا ہے، جو انڈونیشیا کو اس کے پڑوسی ممالک بالخصوص ملائیشیا اور سنگاپور سے ملانے والی ایک اہم آبی گزر گاہ ہے۔ اس کا مطلب عالمی تجارت اور توانائی کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل بحری گزر گاہ، آبنائے ملاکا، پر امریکی کنٹرول کا مزید بڑھ جانا ہے۔ ضمناً یہ بھی واضح رہے کہ آبنائے ملاکا چین، جاپان اور جنوبی کوریا کے لیے توانائی کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ چین کی خام تیل اور گیس کی زیادہ تر درآمدات انڈونیشیا، ملائیشیا اور سنگاپور کے درمیان اسی تنگ گزر گاہ سے ہو کر گزرتی ہیں۔ امریکہ نے حال ہی میں اس خلا کو پُر کرنے کے لیے تیزی سے قدم اٹھائے ہیں، اور یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ یہ سب کچھ ٹرمپ انتظامیہ کے دور میں ہوا ہے۔

**ب:** یہ معاہدہ انڈونیشیا میں امریکی فوجی اثاثوں، بالخصوص جنگی جہازوں کی مرمت، دیکھ بھال اور اوور ہالنگ کے لیے ایک ہمہ گیر سہولت فراہم کرنے، یا اس کے قیام کی راہ ہموار کرتا ہے۔ ایم ڈی سی پی (MDCP) کا مشترکہ بیان آپریشنل تیاریوں کو بہتر بنانے کے لیے دیکھ بھال، مرمت اور اوور ہالنگ کے شعبوں میں تعاون کی شرط عائد کرتا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امریکہ نے اس سے قبل شمالی سلاویسی کے علاقے بیتونگ (Betung) میں اپنے جنگی جہازوں کی دیکھ بھال اور مرمت کے لیے ایک بحری اڈہ قائم کرنے میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔

**ج:** یہ معاہدہ انفرادی بنیادوں پر اجازت نامے (پرمٹ) جاری کرنے کے بجائے محض "اطلاع دینے" کا نظام قائم کرتا ہے، جس سے امریکی فوجی دستوں کی نقل و حرکت پر طریقہ کار کی پابندیاں نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہیں۔ یہ معاہدہ ہم آہنگی کے طریقہ کار کی بھی وضاحت کرتا ہے، جس میں امریکی پیسیفک ایئر فورسز اور انڈونیشیا کے فضائی آپریشنز سینٹرز کے درمیان ایک براہِ راست ہاٹ لائن کے ساتھ ساتھ متوازی سفارتی اور فوجی مواصلاتی ذرائع بھی شامل ہیں۔ انفرادی اجازت کے بغیر فضائی گزر گاہ کے لیے صرف اطلاع دینے کا یہ نظام انڈونیشیا کی فضائی حدود سے امریکی فوجی طیاروں کے ہموار اور بروقت گزرنے میں سہولت فراہم کرتا ہے۔ یہ نظام

امریکی طیاروں کے لیے انڈونیشیا کی فضائی حدود کے ذریعے چین اور تائیوان تک پہنچنے، اور پھر وہاں سے فلپائن اور جاپان جانے کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

د- یہ معاہدہ اس سال کے دوران انڈونیشیا اور امریکہ کے درمیان تعلقات میں ہونے والی پیش رفت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

**پہلا:** ٹرمپ کے زیرِ صدارت امریکی قیادت میں قائم ہونے والی 'پیس کونسل' (امن کونسل) میں انڈونیشیا کی شرکت؛ "انڈونیشیا نے غزہ میں امن مشن کے لیے 8,000 فوجیوں کی تیاری کا اعلان کر دیا ہے... انڈونیشیا پہلا ملک ہے جس نے غزہ کے لیے ٹرمپ کی جانب سے شروع کردہ 'پیس کونسل' اقدام کے تحت باضابطہ طور پر اپنی افواج بھیجنے کا عزم کیا ہے، جہاں دو سال کی تباہ کن جنگ کے بعد 10 اکتوبر سے اسرائیل اور حماس کے درمیان جنگ بندی برقرار ہے"۔[آرٹی، 16 فروری 2026]

**دوسرا:** اسی مہینے میں امریکہ اور انڈونیشیا کے درمیان ایک باہمی تجارتی معاہدہ طے پایا؛ "انڈونیشیا اور امریکہ نے ایک تجارتی معاہدہ مکمل کیا جس کا مقصد انڈونیشیائی اشیاء پر امریکی ٹیرف کو 32 فیصد سے کم کر کے 19 فیصد کرنا ہے۔ جکارتہ کو اس کی اہم ترین برآمدی مصنوعات، یعنی پام آئل سمیت دیگر متعدد اشیاء پر بھی ٹیرف میں چھوٹ ملی ہے۔ مہینوں کے مذاکرات کے بعد واشنگٹن میں انڈونیشیا کے وزیرِ معیشت ایرلانگا ہارتارتو اور امریکی تجارتی نمائندے جیمیسن گریئر نے اس معاہدے پر دستخط کیے۔ اس کے بدلے میں، انڈونیشیا تمام شعبوں میں اکثر امریکی مصنوعات پر سے ٹیرف ختم کر دے گا۔ جکارتہ نے ان غیر ملکی کمپنیوں کے خلاف اقدامات کرنے پر اتفاق کیا ہے جو امریکی تجارتی مفادات کو نقصان پہنچاتی ہیں، اور امریکی کمپنیوں کے تعاون سے اہم معدنیات اور توانائی کے وسائل میں امریکی سرمایہ کاری میں سہولت فراہم کرنے پر بھی اتفاق کیا تاکہ 'نایاب زمینی عناصر (rare earth elements)' کے شعبے کی ترقی کو تیز کیا جا سکے۔ صدر پرابوو اس معاہدے کو حتمی شکل دینے اور 'امریکہ-انڈونیشیا پیس کونسل' کے رہنماؤں کے پہلے اجلاس میں شرکت کے لیے واشنگٹن روانہ ہوئے۔ انہوں نے اور صدر ٹرمپ نے ایک دستاویز پر دستخط کیے جس کا عنوان 'امریکہ-انڈونیشیا اتحاد کے لیے ایک نئے سنہری دور کی جانب معاہدے کا نفاذ' تھا، جس کے بارے میں وائٹ ہاؤس کا کہنا ہے کہ اس سے دونوں ممالک کی معاشی سلامتی اور ترقی میں اضافہ ہوگا"۔[الشرق الاوسط، 20 فروری 2026]

**تیسرا:** بھارتی اخبار 'دی سنڈے گارڈین' نے 12 اپریل 2026 کو اپنی ویب سائٹ پر انکشاف کیا کہ "امریکہ کی ایک خفیہ دفاعی دستاویز انڈونیشیا کی فضائی حدود کے ذریعے امریکی فوجی طیاروں کے لیے بلا روک ٹوک رسائی (blanket overflight access) حاصل کرنے کا منصوبہ پیش کرتی ہے، جو فروری میں انڈونیشیا کے صدر پرابوو سوبیانتو اور ڈونلڈ ٹرمپ کے درمیان واشنگٹن میں ہونے والی ملاقات کے بعد سامنے آیا ہے، اور یہ ہند-بحرالکاہل میں امریکہ کی آپریشنل رسائی کو وسعت دینے کی جانب ایک اہم قدم ہے۔ پرابوو نے 18 سے 20 فروری 2026 تک 'پیس کونسل سمٹ' میں شرکت کے لیے واشنگٹن ڈی سی کا دورہ کیا تھا۔ ایک خفیہ

امریکی دستاویز میں درج تفصیلات کے مطابق، اس دورے کے دوران انہوں نے ٹرمپ کے ساتھ ایک دوطرفہ ملاقات میں انڈونیشیا کی فضائی حدود سے امریکی طیاروں کو بلا روک ٹوک گزرنے کی منظوری دینے کی تجویز پر اتفاق کیا تھا"۔ (دی سنڈے گارڈین، 12 اپریل 2026)

**چوتھا:** ایم ڈی سی پی (MDCP) معاہدے پر دستخط، جس کی وضاحت ہم اوپر کر چکے ہیں، اور 13 اپریل 2026 کو اس کے مشترکہ بیان میں کہا گیا: "امریکی وزیرِ جنگ اور انڈونیشیا کے وزیرِ دفاع نے امریکہ اور انڈونیشیا کے درمیان 'میجر ڈیفنس کوآپریشن پارٹنرشپ (MDCP)' کے قیام کا اعلان کیا ہے... ایم ڈی سی پی کے تین بنیادی ستون ہیں جن پر باہمی احترام اور قومی خودمختاری کی بنیاد پر عمل درآمد کیا جائے گا: (1) فوجی جدید کاری اور استعدادِ کار میں اضافہ؛ (2) تربیت اور پیشہ ورانہ فوجی تعلیم؛ اور (3) مشقیں اور آپریشنل تعاون"۔

یہ چار نکات انڈونیشیا اور امریکہ کے درمیان تعلقات کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں جو کتاب "سیاسی تصورات - مسئلہ مشرقِ بعید" کے عربی زبان کے صفحات 158-159 پر بیان کی گئی ہے، جہاں لکھا ہے: "انڈونیشیا سے ہالینڈ کو نکالنے میں کامیابی کے بعد امریکہ نے اس کی جگہ لینے کی کوشش کی۔ تاہم، انڈونیشیائی عوام نے کئی سالوں تک مزاحمت کی اور اس بات کو مسترد کر دیا کہ وہ ایک قسم کے استعمار کو نکال کر دوسرے کی غلامی اختیار کر لیں۔ پھر امریکہ نے انڈونیشیا کے لیے رکاوٹیں پیدا کرنا اور اس کے خلاف انقلابات بھڑکانا شروع کر دیے۔ ان دباؤ کے نتیجے میں، انڈونیشیا کے حکمران مغلوب ہو گئے اور انہوں نے امریکی قرضے اور فوجی امداد قبول کر لی۔ اس طرح، سوکارنو کے دور سے ہی انڈونیشیا امریکی اثر و رسوخ کے زیرِ اثر آ گیا اور امریکہ کی ایک طفیلی ریاست بن گیا۔ امریکہ نے اس پر اپنا کنٹرول حاصل کر لیا، خاص طور پر فوج اور ملک کی معیشت پر، اور یہ صورتحال آج تک جاری ہے"۔ ہم نے پہلے بھی موجودہ صدر کے انتخاب کے بعد، 11 نومبر 2024 کو ایک سوال کے جواب میں کہا تھا: "مذکورہ بالا باتوں پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ انڈونیشیا کے نئے صدر پرابوو، 20 مارچ 2024 کو انتخابات میں اپنی کامیابی کے اعلان سے لے کر 20 اکتوبر 2024 کو اپنے منصب سنبھالنے تک، اور اس کے بعد بھی... اپنے پیشرووں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، اور وہ امریکہ کے ساتھ مزید وابستہ ہو گئے ہیں، اور وہاں آج بھی امریکہ کا اثر و رسوخ ہی سب سے زیادہ طاقتور ہے!!"۔ اس طرح انڈونیشیا امریکی اثر و رسوخ کے سامنے ایک تابعدار ملک بن چکا ہے... حالانکہ انڈونیشیا اپنے محلِ وقوع اور آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا ملک ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامِ عظیم اس کی سرزمین میں رچا بسا ہے۔ انڈونیشیا خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام نافذ کر کے اپنی سرزمین سے خیر و بھلائی پھیلاتے ہوئے پوری دنیا پر اثر انداز ہو سکتا ہے... اور اس طرح اللہ کے عظیم شرعی فریضے کو پورا کر کے رب العالمین کو خوش کر سکتا ہے۔ اس کے بغیر، انڈونیشیا کا نظام امریکہ کا قیدی، اس کا تابع، اس کے

احکامات ماننے والا اور اس کے منع کردہ کاموں سے رکنے والا ہی رہے گا، اور یوں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارے کا سودا کرے گا، اور یہی تو کھلا نقصان ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

"بیشک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جس کا دل (زندہ) ہو یا جو پوری توجہ سے کان لگائے اور وہ حاضرِ (دماغ) ہو"۔

(سورہ ق، آیت:37)

14 ذوالقعدہ 1447 ہجری

1 مئی 2026 عیسوی

فہرست

# سوال کا جواب: لبنان اور یہودی وجود کے درمیان غدارانہ مذاکرات

حزب التحریر

**سوال:**

واشنگٹن میں لبنان اور یہودی وجود کے سفیروں کے مابین مذاکرات منعقد ہوئے۔ ان مذاکرات کو اعلیٰ سطح کے امن مذاکرات گردانا جارہا ہے، جس کے تحت دس دن کی جنگ بندی کی گئی، جسے بعد میں 24 اپریل، 2026ء کو بڑھا کر تین ماہ تک کر دیا گیا۔ تاہم، یہودی وجود اپنی جارحیت میں مسلسل اضافہ کرتا چلا جارہا ہے۔ "قابض فوج نے اعلان کیا کہ اس نے راتوں رات جنوبی لبنان میں پچاس سے زائد مقامات کو نشانہ بناتے ہوئے متعدد حملے کئے... الجمهور، 2 مئی، 2026ء"۔

تو آخر اس جارحیت کا کیا مقصد ہے، یا پھر اسے یوں سمجھا جائے جیسا کہ ٹرمپ نے کہا کہ، طاقت کے ذریعے امن کا قیام؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر آخر لبنان کے حکمران اس قدر غداری پر مبنی مذاکرات کو یوں کھلے عام کیسے قبول کر سکتے ہیں، بجائے یہ کہ خفیہ طور پر ہوتے، کیا یہ اقدامات نارملائزیشن کی راہ ہموار کرنے کی نشاندہی کرتے ہیں؟ براہِ کرم وضاحت فرمادیں، ہم آپ کے شکر گزار اور ممنون ہیں۔

اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

**جواب:**

مذکورہ بالا سوالات کے جواب کی وضاحت کے لئے ہم درج ذیل نکات کا جائزہ لیں گے:

1- 2025ء میں ٹرمپ انتظامیہ نے دوبارہ برسرِ اقتدار آجانے کے ساتھ ہی ٹرمپ کے پرانے منصوبے، یعنی "ابراہام معاہدات" کو بھی نئے سرے سے سامنے لے آئے، جس میں "نارملائزیشن" کے وعدے کئے گئے، اور مزید یہ کہ یہودی وجود کو طاقت فراہم کر کے خطے میں غلبہ دینے اور امریکی مفادات کے ایک بڑے حصے کی نگرانی اس کے سپرد کرنے کی بات کی گئی۔

14 اپریل، 2026ء کو واشنگٹن میں لبنان میں امریکہ کے ایجنٹوں اور یہودی وجود کے مابین ہونے والے مذاکرات کا آغاز اُس سیکیورٹی معاہدے سے کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ گیر تھا، جسے حکومت قتل و غارت روکنے، تباہی کے خاتمے اور جنوب کی آزادی کی ایک

کاوش کے طور پر پیش کر رہی ہے۔ در حقیقت، یہ مذاکرات ٹرمپ کی "نارملائزیشن ٹرین" میں سوار ہونے کے لئے ایک بھرپور پیش رفت تھی۔

اگرچہ یہ "پہلا" اجلاس سفیروں کی سطح پر ہی تھا، تاہم صدر ٹرمپ نے معاملات میں تیزی لانے کی غرض سے اعلان کر دیا کہ 'لبنانی صدر، عون جوزف اور یہودی وجود کے وزیرِ اعظم، نیتن یاہو کے مابین ٹیلیفون پر مزید گفتگو ہوگی، اور یہ بھی نشاندہی کی کہ اس نوعیت کا رابطہ دہائیوں سے نہیں ہوا' (i24، 16 اپریل، 2026ء)۔ بہر حال جب یہ ٹیلیفونک رابطہ نہ ہو سکا تو ٹرمپ نے نارملائزیشن کے معاملات میں تیزی برقرار رکھنے پر اصرار کیا۔ ٹرمپ کے وزیرِ خارجہ نے لبنانی صدر سے رابطہ کیا، اور پھر خود ٹرمپ نے بھی لبنانی صدر کو فون کیا — جو کہ ایک ایسا اقدام تھا جس پر لبنان میں امریکہ کے ایجنٹوں نے بہت شیخیاں بگھاریں اور اتراتے ہوئے اسے انتہائی فخریہ انداز سے پیش کیا۔

بعد ازاں ٹرمپ نے ایک انوکھی نوعیت کے سفارتی اقدام کا اعلان کیا کہ: وہ "اسرائیل" کے وزیرِ اعظم، بنجمن نیتن یاہو اور لبنان کے صدر، جوزف عون کو وائٹ ہاؤس میں مدعو کرنے کا ارادہ رکھتا ہے (سعودی نیوز، 16 اپریل، 2026ء)۔ بہر حال، لبنانی قیادت کی طرف سے کھوکھلی تردید کے باوجود، لبنان کا اس "نارملائزیشن ٹرین" میں سوار ہونا اب کھل کر ظاہر ہو چکا ہے۔

2- پھر اس کے بعد لبنان کے صدر، عون اور اس کے وزیرِ اعظم کی جانب سے اس حوالے سے بیانات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا:

ا) لبنانی عوام سے کئے گئے اپنے ایک خطاب میں، عون نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ: "میں آپ سے صاف گوئی اور پورے اعتماد کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ: یہ مذاکرات نہ تو کسی کمزوری کی علامت ہیں، نہ پسپائی کی، اور نہ ہی کسی قسم کی رعایت کی۔ بلکہ یہ ایک ایسا فیصلہ ہے جو ہمارے حقوق پر ہمارے پختہ یقین، اپنے عوام کے لئے ہماری فکر، اور اپنے وطن کی ہر ممکن طریقے سے تحفظ کرنے کی ذمہ داری سے جنم لیتا ہے — خصوصاً اس عزم سے کہ ہم لبنان کے سوا کسی کے لئے جان قربان کرنے کو تیار نہیں۔ مذاکرات کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں، اور نہ کبھی ہو گا، کہ ہم کسی حق سے دستبردار ہو جائیں، کسی اصول کو ترک کر دیں، یا اس قوم کی خود مختاری پر کوئی سمجھوتہ کر لیں۔ ہم ہزاروں لبنانیوں کو کھو چکے ہیں؛ یہ ہمارے بیٹے اور بیٹیاں ہیں، اور ہم انہیں کبھی نہ بھلا پائیں گے۔ میں کسی اور لبنانی کو ہرگز جان نہیں گنوانے دوں گا، اور نہ ہی اپنے

عوام کے قتل وغارت کا یہ سلسلہ جاری رہنے دوں گا—چاہے وہ دوسروں کے مفادات واثر ورسوخ کی خاطر ہو یا قریب و دور کی طاقت کی سیاسی بساط کے لئے ہو"(انڈیپنڈنٹ عربیہ، 18 اپریل، 2026ء)۔

ب) جہاں تک وزیرِاعظم، نوف سلام کا تعلق ہے، انہوں نے فرانس کے صدر، میکرون کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں کہا: "انہیں لبنان کے تمام پارٹنرز کی مدد درکار ہوگی، جبکہ رواں ہفتے کے آخر میں واشنگٹن میں سفیروں کی سطح پر براہِ راست مذاکرات جاری رہیں گے"۔ مزید بیان دیتے ہوئے نوف سلام نے کہا کہ، "ہم اس راستے پر اپنے اس پختہ یقین کے تحت گامزن ہیں کہ ڈپلومیسی کرنا کمزوری کی علامت نہیں، بلکہ ایک ذمہ دارانہ عمل ہے—تاکہ اپنے ملک کی خودمختاری کی بحالی اور اپنے عوام کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کر کے دیکھ لی جائے"(انڈیپنڈنٹ عربیہ، 21 اپریل، 2026ء)

ج) اس کے بعد عون نے حمایت آمیز سعودی کردار پر انحصار کیا، جیسا کہ اخبار الریاض نے رپورٹ کیا، "جوزف عون نے سعودی کردار کو سراہا اور ولی عہد و وزیرِاعظم، محمد بن سلمان کی کوششوں کی قدردانی کی، اور اس بات پر زور دیا کہ یہ اقدامات دانشمندی اور توازن سے مرتب کردہ ہیں... اور یہ کہ سعودی کوششیں مضبوط مؤقف پر مبنی ہیں جو خصوصاً حالیہ عسکری کشیدگی کے باعث پیدا ہونے والے مشکل حالات میں لبنانی عوام کی حمایت کرتی ہیں۔ سعودی مملکت کی جانب سے جنگ بندی کے لئے کئے جانے والے تمام اقدامات کی حمایت کا عزم واضح تھا، اس کے ساتھ ساتھ پائیدار سفارتی حل کو فعال بنانے کی کوشش بھی جاری ہے، تاکہ امن کا حصول اور لبنان کے استحکام کا تحفظ یقینی بنایا جا سکے"(الریاض اخبار، 19 اپریل، 2026ء)

3- بعد ازاں ایران کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کے باوجود، یہودی وجود نے لبنان میں ایران کی حزب کے خلاف جنگ بند کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ ایران کے ساتھ دو ہفتوں کی جنگ بندی طے پا چکی تھی۔ یہودی وجود کے وزیرِاعظم نے اعلان کر دیا کہ ایران کے ساتھ اس جنگ بندی معاہدہ میں لبنان شامل نہیں ہے، اور اس نے اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے، جنگ بندی کے نفاذ کے پہلے ہی دن یہودی وجود کے طیاروں نے بیروت پر اور مجموعی طور پر لبنان کے مختلف علاقوں پر شدید بمباری کر دی۔ "گزشتہ ماہ حزب اللہ کے ساتھ جھڑپوں کا آغاز ہونے کے بعد سے اب تک ہونے والے اسرائیل کے لبنان پر کئے جانے والے حملوں میں حالیہ

فضائی حملے شدید ترین نوعیت کے تھے، حالانکہ ایران کی پشت پناہی سے چلنے والے اس گروپ، حزب اللہ نے امریکہ اور ایران کے مابین دو ہفتوں کی جنگ بندی معاہدے کے بعد سے شمالی اسرائیل میں اور لبنان میں اسرائیلی افواج پر اپنے حملے روک دیئے تھے"۔ خبر رساں ادارے، Axios نے بدھ کے روز وائٹ ہاؤس کی ترجمان، کیرولین لیویٹ (Caroline Leavitt) کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ کیا کہ "لبنان، امریکہ اور ایران کے درمیان جنگ بندی کے معاہدے کا حصہ نہیں ہے" (فرانس-24، 04 اپریل، 2026ء)

4- اس امریکی مؤقف کے تناظر میں، لبنان میں موجود امریکہ کے ایجنٹوں کی جانب سے حزب اللہ کے خلاف بیان بازی میں اضافہ ہو رہا ہے، جس سے خانہ جنگی پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے۔ مثال کے طور پر، "لبنانی وزیرِاعظم، نوف سلام نے منگل کے روز بیان دیا کہ "حکومت ایران کی پشت پناہی سے چلنے والی پارٹی، حزب اللہ کے ساتھ محاذ آرائی نہیں چاہتی، تاہم وہ اسے دھمکیوں کے ذریعے دباؤ ڈالنے کی اجازت بھی نہیں دے گی، جبکہ جنگ کے خاتمے کے لئے 'اسرائیل' کے ساتھ براہِ راست مذاکرات جاری ہیں" (انڈیپنڈنٹ عربیہ، 21 اپریل، 2026ء)"۔

اس بات سے اس حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہودی وجود اور لبنانی حکومت، اگرچہ اپنے اپنے طور پر ہی سہی، لیکن دونوں ہی لبنان میں موجود ایران کی حزب کو غیر مسلح کرنے کے لئے پیش رفت کر رہے ہیں۔

5- تاہم، ایران کی جانب سے اس بات پر مسلسل دباؤ کے پیشِ نظر کہ جنگ بندی میں لبنان کو بھی شامل کیا جائے، امریکہ نے ابتدا میں انکار کے بعد لبنان میں جنگ بندی پر آمادگی ظاہر کر دی۔ "امریکی صدر نے لبنان میں دس روزہ جنگ بندی کا اعلان کر دیا" (آر ٹی، 16 اپریل، 2026ء)۔ امریکہ اس جنگ بندی کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ لبنان کو نارملائزیشن کی جانب دھکیلا جائے۔ امریکی صدر، ٹرمپ نے کہا، "میں نے لبنان کے نہایت معزز صدر، عون جوزف اور 'اسرائیل' کے وزیرِاعظم، بنجمن نیتن یاہو کے ساتھ شاندار اور انتہائی مثبت گفتگو کی ہے"۔ ٹرمپ نے مزید کہا کہ، "ان دونوں لیڈران نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اپنے ممالک کے درمیان امن کے حصول کے لئے وہ باضابطہ طور پر شام 5 بجے (مشرقِ وسطیٰ کے معیاری وقت کے مطابق) سے 10 روزہ جنگ بندی کا آغاز کر دیں گے"۔ ٹرمپ نے یہ بھی بتایا کہ، "34 برس کے عرصہ میں پہلی بار، اس منگل کے روز دونوں ممالک نے یہاں واشنگٹن ڈی سی میں ہمارے گریٹ سیکرٹری آف اسٹیٹ، مارکو روبیو کی موجودگی میں اکٹھے ملاقات کی"۔ ٹرمپ نے تصدیق کی کہ، "میں نے نائب صدر، جے ڈی وینس اور سیکرٹری آف اسٹیٹ، روبیو کو، چیئرمین جوائنٹ چیفس آف اسٹاف، ڈین رازن کین (Dan Caine) کے ہمراہ،

’اسرائیل‘ اور لبنان کے ساتھ مل کر پائیدار امن کے حصول کے لئے کام کرنے کی ہدایات کر دی ہیں“۔ اپنے بیان کے اختتام پر ٹرمپ نے کہا، ”دنیا بھر میں جاری 9 جنگوں کے مسائل کو حل کرنا میرے لئے اعزاز رہا ہے، اور اس جنگ کا مسئلہ حل کرنا میرے لئے دسواں ہوگا، تو آیئے، اسے حل کرتے ہیں“! (ٹروتھ سوشل، 16 اپریل، 2026ء)

6- پھر ٹرمپ نے یہودی وجود اور لبنان کے مابین جنگ بندی کو تین ہفتوں تک بڑھا دینے کا اعلان کیا، ”امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے جمعرات کے روز کہا کہ ’اسرائیل‘ اور لبنان کے درمیان جنگ بندی میں تین ہفتوں کی توسیع کی جائے گی۔ ٹرمپ نے اپنے ٹروتھ سوشل اکاؤنٹ پر ایک پوسٹ میں مزید کہا کہ یہ فیصلہ جمعرات کو اوول آفس میں ہونے والی ایک ملاقات کے بعد کیا گیا، جس میں امریکی صدر، نائب صدر جے ڈی وینس، امریکی سیکرٹری آف اسٹیٹ مارکو روبیو، ’اسرائیل‘ کے لئے امریکی سفیر مائیک ہوکابی، اور لبنان میں امریکی سفیر میشال عیسیٰ (Michel Issa) شریک تھے“ (اسکائی نیوز عربیہ، 24 اپریل، 2026ء)۔ تاہم ان تمام اعلانات کے باوجود، حملے جاری رہے! ””اسرائیل‘ جنوبی لبنان پر اپنے حملے جاری رکھے ہوئے ہے...“ (آر ٹی عربی، 30 اپریل، 2026ء)۔

”اس کے علاوہ، ’اسرائیلی‘ فوج نے گزشتہ دو دنوں کے دوران بڑے پیمانے پر یکے بعد دیگرے متعدد حملے کئے، جن کے نتیجے میں درجنوں افراد ہلاک ہو گئے۔ لبنانی حکام کے مطابق 84 کے قریب مختلف ’اسرائیلی‘ حملوں کے نتیجے میں تقریباً 29 افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے، ان حملوں میں فضائی حملے، آرٹلری گولہ باری، اور رہائشی عمارتوں پر بمباری بھی شامل تھی“ (الجزیرہ، یکم مئی، 2026ء)... اور حتیٰ کہ آج کے دن بھی، ”قابض وجود کی فوج نے اعلان کیا ہے کہ اس نے گزشتہ رات جنوبی لبنان میں 50 سے زائد مقامات پر حملوں کے سلسلہ میں اپنی کاروائیاں سرانجام دی ہیں...“ (الجمہور، 02 مئی، 2026ء)...

امریکہ اس لئے مذاکرات کرنا چاہتا ہے تاکہ طاقت کے زور پر اس کے متکبرانہ تصور کے مطابق نام نہاد امن قائم کیا جائے! اور اسی کام کو پایۂ تکمیل پہنچانے کے لئے یہودی وجود لبنان کے ان دیہی علاقوں میں نئے ملٹری کیمپ قائم کر رہا ہے جہاں پر اس نے قبضہ کر رکھا ہے، اور وہ ایران کی حزب سے ممکنہ خطرے کے پیش نظر ان علاقوں کو بفرزون کا علاقہ قرار دے رہا ہے، اور یہ ایک اسی طرح کا منظر نامہ دہرایا جا رہا ہے جو غزہ میں حماس اور صفر اء لائن کے نام سے کیا گیا تھا!

7- یوں، لبنان کے حکمران اور دیگر مسلم ممالک کے حکمران، بجائے اس کے کہ فلسطین کو آزاد کرائیں اور یہودی وجود کا خاتمہ کریں، لیکن یہ حکمران اس ناجائز وجود کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے (نارملائزیشن) کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ یہ حکمران امریکہ اور یہودی

وجود کے ساتھ مل کر اس کی سکیورٹی کو یقینی بنانے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان حکمرانوں کو قطعی یہ فکر اور احساس تک نہیں ہے کہ کفار کے ساتھ دوستی کرنا کس قدر خطرناک ہے، اور جو نہ صرف اس دنیا میں ذلت کا سبب ہے بلکہ آخرت میں تو دردناک عذاب کا باعث ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿**الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعاً**﴾ **"جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ بے شک عزت تو ساری صرف اللہ ہی کے لئے ہے"**[سورۃ النساء؛4:139]

یہ حکمران اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ کافر ریاستوں کا اولین مقصد اپنے مفادات کی حفاظت کرنا ہے اور وہ اسی کام میں لگی رہتی ہیں اور دن رات اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتی ہیں۔ اگر کبھی وہ اپنی خارجہ پالیسی کے دائرۂ اثر میں آنے والی کسی ریاست یا اپنے ہی ایجنٹوں سے بظاہر کسی قسم کی رضامندی کا اظہار کر بھی لیتے ہیں تو اس کا مطلب ان کی خیر خواہی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے مقاصد کو چھپا بھی رہے ہوتے ہیں اور کبھی کبھار کھلم کھلا ظاہر بھی کرتے ہیں، چاہے یہ حکمران، خواہ کوئی بھی ہوں، یہودی وجود کے حقیقی اتحادی ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ حکمران، خواہ وہ امریکہ کے مدار میں گردش کر رہے ہوں یا اس کے ایجنٹ ہوں، اگر وہ یہ جان سکتے کہ امریکہ انہیں اس وقت قطعاً کوئی اہمیت بھی نہیں دیتا جب اس کے مفادات انہیں راستے سے ہٹانے کا تقاضا کرتے ہوں، تو یہ حکمران تاریخ کے اسباق سے ہی کچھ سبق سیکھ سکتے تھے۔ کتنے ہی اتحادی اور ایجنٹ ایسے گزرے ہیں جنہیں امریکہ نے اپنا مقصد پورا کر چکنے کے بعد کوڑے دان میں ردی کی مانند پھینک دیا تھا۔

اگر ان حکمرانوں میں ذرہ برابر بھی کوئی سمجھ بوجھ ہوتی تو انہوں نے کفار کو سرے سے ہی مکمل طور پر رد کر دیا ہوتا، لیکن یہ حکمران تو بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، اور وہ واپس نہیں آئیں گے۔ کافر استعمار کے ساتھ ان حکمرانوں کی وفاداری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان میں سے کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو دوسرے اس کی مدد تک کرنے کے لئے حرکت میں نہیں آتے۔ اور پھر ان میں سب سے بہتر وہ گردانے جاتے ہیں جو صرف ہلاک شدگان اور زخمیوں کا شمار کر لیتے ہیں! مسلمانوں کے لئے بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ ایک واحد امت ہیں؛ ان کا امن بھی ایک ہے اور ان کی جنگ بھی ایک ہے۔ امت کے کسی ایک بھی حصے پر حملہ پوری امت پر حملہ تصور

ہوتا ہے۔ اگرچہ امت کے ہر حصے پر شرعی فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے کسی علاقہ پر حملہ کے خلاف جارح قوت کا مقابلہ کرے، لیکن بہر حال صرف یہ اقدام ہی مسئلے کا دائمی حل نہیں ہے۔ ایران میں پاسدارانِ انقلاب مزاحمت کر رہے ہیں، اور لبنان میں ایران کی حزب مزاحمت کر رہی ہے، لیکن ان سب سے مل کر بھی مسئلے کا حل تب تک نہیں ہو گا جب تک خلافت کا قیام نہ ہو جائے، جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے اس کی شریعت کو نافذ کرے گی، تاکہ وہ فتح حاصل کرے اور اللہ کے اذن سے غالب آئے، اور عدل و جہاد کے ذریعے دنیا کو منور کرے، یہاں تک کہ اللہ اسے اپنی نصرت سے سرفراز فرمائے۔

8- یہی حل ہی وہ واحد حل ہے جو امت کو نجات دلائے گا، امت کی کھوئی ہوئی عزت و وقار کو بحال کرے گا، اس کی طاقت کو مضبوط کرے گا اور اسے اس قابل بنادے گا کہ امت کے دشمن اس امت پر حملہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور ایسا سب صرف خلافتِ راشدہ کے احیاء کے ذریعے سے ہی ممکن ہے کہ جس کے عدل و انصاف اور خیر و بھلائی سے یہ کرۂ ارض منور ہو جائے گی۔ ماضی میں جیسے خلافت نے روم کے قیصر اور فارس کے شہنشاہوں کا غرور و تکبر خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا، بالکل اسی طرح آنے والی خلافت ان کفار کی پیروی کرنے والوں جیسا کہ ظالم ٹرمپ اور کافر استعمار میں موجود اس کے حواریوں کی فرعونیت کی بھی دھجیاں بکھیر کر رکھ دے گی۔ اور جہاں تک یہودی وجود کا تعلق ہے، تو وہ تو اس قدر بے وقعت ہے کہ اس کو کوئی اہمیت دی جائے۔ وہ بالکل ایسے ہی ہیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمادیا ہے، ﴿**لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ**﴾ **"وہ تمہیں معمولی سی تکلیف پہنچانے کے سوا تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو وہ تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے، اور پھر ان کی کوئی مدد نہ ہو گی"**[آل عمران: 3:111]۔ یہودی وجود تو خود اپنے سہارے پر کھڑے ہونے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ اگر لوگوں کی حمایت اور مدد ان کے ساتھ نہ ہو تو وہ لڑنے کی اہلیت نہیں رکھتے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا، ﴿**ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ**﴾ **"ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے، جہاں کہیں بھی وہ جائیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اللہ کے عہد میں آجائیں اور لوگوں کے عہد میں"**[آل عمران: 3:112]۔ یہود نے اللہ جل جلالہ سے تو پہلے ہی اپنا ناطہ توڑ لیا ہے اور اب ان کے پاس اگر لوگوں (مغرب، امریکہ اور مسلمانوں کے غدار حکمرانوں) کا سہارا نہ ہو تو یہ وجود لڑنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ اور یہ غدار حکمران تو ایسے ہیں کہ وہ یہود کی سفاکانہ جارحیت کے خلاف ایک انگلی تک بھی نہیں ہلاتے۔ چنانچہ اصل مسئلہ ان حکمرانوں میں ہے جو مسلمانوں کے علاقوں میں مسلط ہوئے بیٹھے ہیں کیونکہ وہ کافر استعمار کے

وفادار ہیں اور مسلمانوں اور اسلام کے دشمن ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی اصل مصیبت ان کے یہ حکمران اور ان کی یہ وفاداریاں ہیں جو وہ کافر استعمار کے ساتھ نبھائے ہوئے ہیں۔ یہ حکمران انہی کفار کے احکامات کی بجا آوری کرتے ہیں اور ہر اس کام سے رکے رہتے ہیں جس کے لئے وہ کفار انہیں منع کر دیں، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ان حکمرانوں کی اطاعت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ہوتی اور وہ اللہ کی شریعت کا نفاذ کرتے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں جہاد کرتے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت و وقار بلند ہوتا اور کفر اور کفار ذلیل ورسوا ہوتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ **"اور اس روز مؤمنین اللہ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، مدد دیتا ہے اور وہ غالب نہایت مہربان ہے"**[الروم؛30: 4-5]

**15 ذوالقعدۃ، 1447ھ**

**بمطابق، 02 مئی، 2026ء**

فہرست

# نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** ”پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی“ (مسند امام احمد)۔